القاعدہ کا دوسرا روپ

کامل طویل

ترجمہ توقیر عباس

القاعدہ کا دوسرا روپ

کامل طویل

ترجمہ: توقیر عباس

مشعل بکس

آر۔بی 5' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور۔54600، پاکستان

القاعدہ کا دوسرا روپ

کامل طویل

ترجمہ: توقیر عباس

ناشر: مشعل بکس

آر/بی/5، سیکنڈ فلور،

عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،

لاہور/54600، پاکستان

فون و فیکس 042-35866859

Email: mashbks@brain.net.pk

http://www.mashalbooks.org

فہرست

مصنف کا تعارف

تحریر: مریم الحجابی، مصطفےٰ ابوالحمال

ستمبر2001ء کے حملوں کے بعد اس سے پہلے اور اس عرصے میں القاعدہ کے بارے میں یہ تفصیل عوام کے علم میں اضافہ کرتی ہے کہ القاعدہ نے یہ حملے، کیسے اور کیوں کئے؟ اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ان حملوں کے فوری انجام اور اثرات پر کیا ردِعمل ظاہر کیا۔ مثال کے طور یہ تفصیل کئی سوالوں پر روشنی ڈالتی ہے: القاعدہ کے رہنما اس وقت کیا سوچ رہے تھے جب انھوں نے 11 ستمبر2001ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کئے؟ امریکی ردِعمل کے بارے میں ان کی کیا توقعات تھیں؟ القاعدہ اور طالبان کے درمیان جھگڑے کی نوعیت کیا تھی؟ امریکی حملے کے خلاف القاعدہ نے لڑائی کیوں جاری رکھنے کا فیصلہ کیا جب طالبان نے اپنی جگہیں چھوڑ دی تھیں اور کابل وقندھار کی جنگوں سے بھاگ گئے؟۔ان مضامین میں القاعدہ کی عراق، مصر، لبنان اور جنوبی افریقہ میں جنگی حکمتِ عملی پر روشنی ڈالی گئی۔فقید المثال مضامین کا یہ سلسلہ ان لوگوں کے لئے نا گزیر ذریعہ ہے جو القاعدہ کے بارے میں بہتر فہم پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

القاعدہ کے بارے میں عوامی فہم کو وسعت دینے میں مدد کرنے کے ساتھ، یہ مضامین جو Quilliam اور الحیات Al-Hayat کے باہمی تعاون کی پیشکش اور پیداوار ہیں، القاعدہ کے مخالفین کو ایسے ذرائع مہیا کرتے ہیں جن کی مدد سے وہ القاعدہ کے پراپیگنڈے، بیان تحاریر اور ذاتی نمائندگی کا جواب دے سکتے ہیں اور ان مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔مثال کے طور پر یہ معتبر اور آنکھوں دیکھے احوال کی یہ تفصیلات عوام کو القاعدہ کے قائم شدہ تصور کی تردید پر مجبور کرتی ہیں جو

اس کے بارے میں قائم ہے کہ یہ تنظیم بہت منظم اور فکری سطح پر متحد اور یکتا ہے۔اس کے بجائے یہ مضامین القاعدہ کی تصویرکشی غیر منظم، لاپرواہ اور بے ترتیب تنظیم کے طور پر کرتے ہیں۔ایسی تنظیم جو اپنے ارکان، اپنے اتحادی دھڑوں اور اپنے بنیادی اتحادیوں کے ساتھ بیر اور دشمنی کرتی ہے۔ یہ مضامین ،اسامہ بن لادن کی القاعدہ کی ذاتی نمائیندگی اور اس کی ذاتی خدمت کی بھی تردید کرتے ہیں۔اس کے بجائے وہ اسے ایسے شخص کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کے جنگی حکمتِ عملی کی بہت کم دانش ہے اور وہ اپنے پیروکاروں کو بھی شرمسار کرتا ہے بلکہ ملا عمر کو بھی شرمسار کیا جس سے اس نے وفاداری اور اتحاد کی بیعت کی تھی۔اس کے برعکس تحریکِ طالبان جسے ان مضامین میں یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ عرب جہادیوں کی نسبت ، سیاسی اور عسکری طور پر زیادہ قابلیت کی حامل تھی۔ باوجود اس کے کہ طالبان رہنماؤں نے اس نقصان کے بارے میں غلط اندازہ قائم کیا جو انھیں القاعدہ سے تعلق کی وجہ سے پہنچ سکتا تھا۔

یہ کتاب The Other Face Of Al-Qaeda پالیسی میکرز، اداروں کی سطح پر، صحافیوں اور دوسرے لوگوں کے لئے کلیدی ذریعہ ہے جو القاعدہ کو بہتر طور پر سمجھنا چاہتے ہیں یا وہ لوگ جو القاعدہ قسم کی تنظیم کو کوئی اعزاز نہ دینے کے لئے ان کے لئے جوابی تحریر لکھنا چاہتے ہیں۔

Quilliam

London

نومبر 2010ء

خلاصہ

اکتوبر2010ء میں عربی زبان کے اخبار الحیاتAl-Hayatنے القاعدہ کے حوالے سے چھ حصوں پر مشتمل اہم مضمونThe Other Faceof Al-Qaadaشائع کیا اسے عرب کے مشہور صحافی Camille Tawilنے تحریر کیا جسے بینوتمن نے بنیادی معلومات دیں جو لیبیا کا سابقہ جہادی رہنما ہے اور ابQuilliam کا سینئر تجزیہ کار ہے یہ دستاویز الحیات کے اس مضمون کا ترجمہ ہے جسے Quilliam نے نومبر2010ء میں شائع کیا۔

الحیات کا تعارف

چھ مضامین کے سلسلے کا یہ پہلا مضمون ہے جسے صحافی کامل طویل نے تحریر کیا ہے۔ اور الحیات کے جریدے میں شائع ہوا تھا۔تمام مضامین القاعدہ کا وہ رخ دکھاتے ہیں جس سے تمام دنیا کے دونوں فریق اس کے حمایتی اور اس کے مخالف بخوبی آشنا ہیں۔ ان مضامین کا مقصد اس تنظیم کا گہرائی میں جا کر جائزہ لینا ہے اور اس پر روشنی ڈالنا ہے، جسے اسامہ بن لادن نے1980ء کی دہائی کے آخر میں افغانستان اور پاکستان کی سرحدوں میں قائم کیا۔یقینی طور پر کئی لوگ اس سے اتفاق کریں گے کہ اس تنظیم پر احتیاط سے غور کرنے اور اس کے اعمال اور کاموں کا جائزہ لینے کی سخت اہم ضرورت ہے۔ کیا وہ مسلم کاز کے دفاع کے مقاصد کو پر خلوص طریقے سے پورا کر چکے ہیں، کیا القاعدہ کے مخالفین یہ دلیل دینے میں حق بجانب ہیں کہ تمام لوگوں نے ایک مخالفانہ انجام تک پہنچنے میں حصہ لیا؟

درج ذیل باتوں کا مطالعہ، القاعدہ کے مخالفین اور اس کے حمایتیوں کے ساتھ ساتھ ان کو بھی لازمی طور پر کرنا چاہیے جو ابھی تک تذبذب کا شکار ہیں کہ انہیں القاعدہ کی حمایت کرنی چاہیے یا مخالفت۔ یہ مطالعاتی مضمون اصل میں 11 ستمبر2001ء میں واشنگٹن اور نیویارک پر حملوں سے لے کر اب تک القاعدہ کے تمام کاموں اور اعمال کی چیڑ پھاڑ ہے۔ اپنی کتاب ''Al-Qaeda and its sisters'' جو2007ء میں شائع ہوئی اور حالیہ شائع ہونے والی کتاب ''Brothers in Arms'' میں تعمیر و ترقی اور اس کے عرب جہادی دھڑوں سے90ء کی دہائی میں قائم ہونے والے تعلقات پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کتاب کے آخر میں مصنف، دنیا کے مختلف

حصوں میں قائم ہونے والی شاخوں کی مادر ''القاعدہ'' کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ تقابل کے طور پر، تاریخ وار مطالعہ القاعدہ کی ستمبر 2001ء میں ہونے والے حملوں کی تیاری کا منظر اور اس کی ابتدا سے لے کر افغان-پاک سرحدوں کے درمیان قبائلی علاقوں میں اس کے خاتمے اور موجودہ حالت کا احاطہ کرتا ہے۔

قارئین کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ القاعدہ کو معلوم تھا کہ 9/11 حملوں کے نتیجے میں افغانستان پر امریکہ جوابی حملہ کرے گا۔ حیران کن بات جو سامنے آئی وہ یہ حقیقت تھی کہ امریکی سپاہیوں سے زمینی جنگ لڑی جانی تھی۔ اسامہ بن لادن سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے فرض کر لیا کہ ''بزدل'' امریکی جنگ نہیں لڑیں گے۔ قارئین یہ بھی جان لیں گے کہ القاعدہ کا ملٹری کمانڈر محمد عاطف (ابوحفص المصری) انسانی تباہی کے ہتھیاروں (کیمیکل نیوکلیائی یا بائیولوجیکل) کی تلاش کر رہا تھا جنہیں وہ دفاعی ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں، جن کی مدد سے وہ امریکیوں کو افغانستان پر بمباری کرنے سے اور طالبان حکومت اکھاڑ پھینکنے سے باز رکھ سکتے تھے۔ اس مضمون میں وہ اختلافات بھی ظاہر ہوتے ہیں جو اسامہ بن لادن اور القاعدہ میں موجود اس کے مخالفین اور دیگر جہادی دھڑوں کے درمیان ظاہر ہوئے تھے۔ ان کی لڑائی کی اصل وجہ 2001ء کے حملوں کی قانونی حیثیت سے متعلق تھی، جس کے خلاف کئی دھڑے احتجاج کر رہے تھے کہ ان لوگوں نے طالبان رہنما ملا عمر کی ہدایت کی خلاف ورزی کی ہے، جس سے اسامہ بن لادن نے الحاق کیا تھا۔ اس سے اگلی رپورٹس ان حقائق کو عیاں کرتی ہیں جو افغانستان میں عربوں نے کلیدی جنگ لڑی تھی۔ خاص طور پر کابل، قندھار ایئرپورٹ کمپاؤنڈ اور تورا بورا میں جو جنگیں لڑی گئی تھیں، القاعدہ نے کابل میں لڑی جانے والی جنگ میں حصہ لینے کا وعدہ کیا تھا لیکن کسی ایک شخص کو افغانی دارالحکومت کے دفاع کے لیے نہ بھیجا۔ قندھار میں القاعدہ کے رہنما سیف العدل نے بہت فاصلے پر رہ کر جنگ لڑی۔ اس کے تمام احکامات اور ہدایات فقط قندھار ایئرپورٹ کے کمپاؤنڈ کے دفاع کے لیے تھیں جنہیں واکی ٹاکی کے ذریعے جنگجوؤں تک پہنچایا گیا۔ بعد میں یہ ثابت ہوا کہ عسکری اور جنگی نقطہ نظر سے یہ بات ناممکن تھی کہ ایک ایسی جگہ کا دفاع ناممکن تھا جب جنگجوؤں کے پاس کوئی مناسب فضائی دفاع کا نظام نہیں تھا، جو امریکی جہازوں کو وہاں آنے سے روک سکتا۔ امریکیوں نے قندھار ایئرپورٹ کمپاؤنڈ پر بمباری کی جس میں عربوں نے مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ اور تمام لوگوں کو قتل کر

دیا۔ جہاں تک تورا بورا کی جنگ کا تعلق ہے اس میں اسامہ بن لادن ذاتی طور پر شریک تھا۔ اس میں عربوں کا جنگی رویہ خطے کی آبادی کے لیے تضحیک کا باعث بن گیا۔ افغان لوگوں نے ان عرب مخبوط الحواس لوگوں کا تمسخر اڑایا۔ جو سپنگر کے برفانی پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ یہ لوگ شدید سردی میں امریکی اور برطانوی سپیشل فورس کے سامنے مزاحمت نہ کر سکے، جن کی مدد مقامی جنگی سرداروں کے ہزاروں وفادار لڑاکا بھی کر رہے تھے۔

یہ تمام باتیں باوثوق ذرائع سے پہلی بار سامنے آئی ہیں۔ ان کی تفصیلات مہیا کرنے والا ''The Libyan Islamic Fighting Group'' (LIFG) کا سابقہ سینئر رہنما نعمان بینوتمن ہے جو اب برطانوی تھنک ٹینک Quilliam کا سینئر تجزیہ کار، (جنگی ذرائع ابلاغ) ہے جو کسی بھی انتہا پسندی سے نمٹنے کے لیے کام کرتا ہے۔ بینوتمن از سرِ نو اسامہ بن لادن اور اس کے ملٹری کمانڈر ابو حفص المصری کے ساتھ افغانستان میں ہونے والی ملاقاتوں کا تفصیلی احوال بیان کرتا ہے۔ اور جہادی رہنماؤں کے ساتھ معاملات طے کرنے کی تفصیل بھی بیان کرتا ہے، جو امریکی حملے شروع ہونے سے پہلے افغانستان اس نیت سے چھوڑ گئے کہ وہ بعد میں تحریک طالبان کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کے لیے واپس آئیں گے۔ ان میں اہم ترین رہنما ابوالیث اللیبی بھی تھا (جس کے ساتھ اس کا رابطہ پاکستان میں ہوا تھا) جس نے 2007ء میں باقاعدہ طور پر (LIFG) کے کافی اراکین کے ساتھ القاعدہ میں شمولیت اختیار کی تھی۔

بینوتمن، عرب دنیا میں القاعدہ سے متعلق دیگر سازشی تفصیلات بھی بیان کرتا ہے۔ وہ عراقی شاخ کی بات بھی کرتا ہے جس کی بنیاد ابومصعب الزرقاوی نے رکھی تھی۔ وہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ کس طرح مؤخرالذکر نے القاعدہ میں شمولیت اختیار کی اور کس طرح یہ تنظیم اسے خود میں ضم کرنے میں ناکام رہی۔ جس کے نتیجے میں عرب مشرق میں القاعدہ کو توسیع دینے کا منصوبہ مکمل طور پر ناکام ہو گیا۔ مثال کے طور پر بینوتمن اس بات کا انکشاف کرتا ہے کہ القاعدہ عراق میں آنے والے جہادیوں کے کنٹرول میں تھی۔ کیونکہ شامی سرحد کے ساتھ پانچ گزرگاہوں پر اس کا مکمل تسلط تھا جہاں سے عرب رضاکار گزر کر عراق میں داخل ہوتے تھے۔ اس تفصیل میں القاعدہ کی اس کوشش کا بیان بھی ہے کہ کس طرح القاعدہ نے مصر میں شاخ قائم کرنے کی کوشش کی اور یہ کام محمد خلیل الحکیمہ کے سپرد کیا گیا، جو جماعت اسلامی کا رکن تھا۔(1)

بینوتمن پاک-افغان سرحدی علاقوں خاص طور پر شمالی وزیرستان میں القاعدہ کی پوزیشن کے بارے میں دلچسپ اطلاعات دیتا ہے۔شمالی وزیرستان کے بارے میں اس بات پر بہت حدتک یقین کیا جاتا ہے کہ القاعدہ کی موجودہ قیادت وہاں ٹھہری ہوئی ہے اوراس کی حفاظت تحریک طالبان (تحریک طالبان پاکستان، پاکستانی طالبان برانچ) اور حقانی نیٹ ورک کر رہا ہے۔(حقانی نیٹ ورک کا تعلق افغان طالبان سے ہے)۔وہ افغانستان میں القاعدہ ارکان کے ذریعے اپنی وزیرستان میں موجود قیادت کو جنگی محاذوں سے بھیجی جانے والی معلومات بھی آشکار کرتا ہے۔ان اطلاعات میں ان محاذوں کا جائزہ بھی شامل ہے جنہیں القاعدہ نے دو حصوں میں تقسیم کیا تھا، وہ حصے جہاں طالبان لڑ رہے تھے اور وہ حصے جہاں الانصار لڑ رہے تھے۔مجاہدین کے یہ وہ دھڑے تھے جو امریکہ اور افغان حکومت کے خلاف لڑ رہے تھے۔لیکن طالبان کے ارکان نہ تھے۔ بینوتمن پہلی بار 313 بٹالین کے بارے میں بھی تفصیل سے وضاحت کرتا ہے، جو القاعدہ کو ہر قسم کے آپریشن کے لیے وزیرستان سے ہدایات دیتی ہے۔اوراس کا سربراہ الیاس کشمیری ہے۔بٹالین 313 کے بارے میں یہ شکوک پائے جاتے ہیں کہ یہ اندرون پاکستان اور کئی مغربی ممالک میں بہت سی سازشوں میں ملوث ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ بینوتمن کی بہت سی باتیں تنازع کا باعث بنیں گی۔القاعدہ کے حمایتی ان باتوں پر بہت تنقید کریں گے۔القاعدہ، جس کی مخالفت آج بینوتمن کھلے عام کرتا ہے۔تاہم میں یقین کرتا ہوں کہ یہ تجزیاتی مطالعہ اس موضوع پر بہت اہم کام شمار ہوگا۔اگر لکھاری ان بیانات کو شائع کرتا ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ القاعدہ تنظیم کو مختلف زاویوں سے دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش ہے۔کیونکہ ان بیانات میں ذاتی پس منظر بھی ہے اور یہ LIFG کے سابقہ رکن کی براہ راست گفتگو ہے جس نے ان لوگوں کے ساتھ براہ راست جہاد میں شرکت کی یا ان قیادت کنندگان اداکاروں کے ساتھ براہ راست رابطے میں تھا۔اس رپورٹ کا مقصد اہم مواد اور جہاں تک ممکن ہو تھوڑا سا معروضی تجزیہ بھی مہیا کرنا ہے تاکہ قاری خود اس موضوع پر اپنا ذہن تیار کر سکے۔

1

افغانستان پر حملہ روکنے کے لیے القاعدہ کی انسانی تباہی کے ہتھیاروں کی تلاش

2000ء کے موسم گرما میں القاعدہ جہاں نیویارک اور واشنگٹن پر حملوں کی منصوبہ بندی اور تیاریوں کو مکمل کر رہی تھی وہاں یہ تنظیم امریکہ کے جوابی ردعمل پر بھی غور کر رہی تھی۔ اسامہ بن لادن بے شک اس بات سے آگاہ تھا کہ منصوبہ بندی کے ساتھ یہ حملے افغانستان پر تباہ کن نتائج اور اثرات مرتب کریں گے۔

تنظیم کو اپنے جنگجوؤں سے زیادہ سروکار اور دلچسپی نہیں تھی جو تنظیم کے اندازے کے مطابق یہ جنگجو اپنی جگہیں فوراً چھوڑ دیں گے جب بھی انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ وہ اپنے کیمپ اور آبادی والے علاقے چھوڑ کر بہت دور دراز علاقوں میں منتشر ہو جائیں گے، اگر ریاست ہائے متحدہ امریکہ اغوا شدہ طیاروں کے حملوں کا جوابی ردعمل افغانستان میں سو یا چند سو کروز میزائل مار کر کرتا ہے۔ جس طرح نیروبی اور دارالسلام میں امریکی سفارت خانے اڑانے کے ردعمل میں امریکہ نے اگست 1988ء میں کیا تھا۔ اس وقت بھی القاعدہ رہنماؤں نے اپنے کیمپ چھوڑ دیے تھے اور افغانستان کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئے تھے، جب تک کہ یہ طوفان تھم نہیں گیا۔ امریکی انتظامیہ صدر بل کلنٹن کے مونیکا لیونسکی کے ساتھ جنسی سکینڈل میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس

وقت انتظامیہ نے خود کو چند کروز میزائلوں کے حملے تک محدود رکھا۔ اور مشرقی افغانستان میں القاعدہ کے چند منتخب مراکز پر حملے کیے تھے۔ القاعدہ پر یہ حملہ اچانک نہیں تھا جس سے بہت ہلکا نقصان ہوا۔

القاعدہ رہنما 2000ء میں یہ بات جان گئے تھے کہ نیویارک اور واشنگٹن پر منصوبے کے مطابق حملے ہو گئے تو اس وقت امریکہ پر جوابی سخت حملے کرنے کے لیے زیادہ دباؤ ہوگا۔ یہ حقیقت بھی مدنظر رہے کہ یہ رہنما اپنی ذاتی حفاظت سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ دلچسپی کا اصل مسئلہ طالبان حکومت تھی جس کی حفاظت میں القاعدہ رہ رہی تھی، جس کے رہنما ملا عمر کے لیے اسامہ بن لادن الحاق کی قسم کھا چکا تھا۔

اسامہ بن لادن جانتا تھا کہ امریکہ طالبان حکومت، حکومت کے ادارے، ان خونی حملوں کے مجرموں کی میزبانی کے جرم میں تباہ کرنے کے قابل ہے، جن کی منصوبہ بندی افغانستان میں القاعدہ کے کیمپوں میں ہوئی تھی۔ یہ وہ معاملہ تھا جس نے القاعدہ قیادت کو پریشان کر رکھا تھا کہ وہ امریکہ کو کیسے روک سکتے ہیں۔ طالبان کے مہمانوں کے کیے کی سزا طالبان کو نہ دیں؟

انسانی تباہی کے ہتھیار

یہ بہت فطری بات تھی کہ القاعدہ کا ملٹری کمانڈر اور اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری (مصری جماعت الجہاد کا سربراہ) کے بعد تنظیم کا تیسرا بڑا رکن ہونے کی وجہ سے محمد عاطف (ابو حفص المصری) کو امریکہ کے ممکنہ ردعمل سے نمٹنے کا کام سونپا گیا۔ لیبیا کے مشہور اسلام پسند اور کارکن نعمان بینوتمن کے مطابق، اس کی محمد عاطف سے اس وقت لمبے وقت کے لیے ملاقاتیں ہوئیں جب القاعدہ حملوں کی تیاری کر رہی تھی۔ عاطف نے امریکہ کے ردعمل کے ممکنہ خطرات اور افغانستان اور اس کے لوگوں کے لیے خطرناک نتائج پر غور کیا۔ بینوتمن جو LIFG کا سابقہ رہنما تھا، وہ محمد عاطف، اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے بہت سے رہنماؤں سے 2000ء کے موسم گرما میں (ستمبر کے حملوں سے ایک سال پہلے) قندھار میں ہونے والے اجلاسوں میں مسلسل ملتا رہا۔ وہ اس بات کا انکشاف کرتا ہے کہ مصری ابو حفص الکماندان (2) نے اس کے اور دیگر سامعین کے سامنے اس بات کا اعلان کیا کہ تنظیم ایک ایسے ہتھیار کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے جس کے

ڈر سے امریکی حکومت طالبان حکومت پر حملہ کرنے سے پیشتر دوبار سوچے گی۔ محمد عاطف اس قسم کا انسانی تباہی کا ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چاہے وہ نیوکلیئر، کیمیکل یا بیالوجیکل ہو جس سے ریاست ہائے متحدہ کے ساتھ دہشت گردی میں توازن قائم ہو سکے۔

یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا کہ القاعدہ کی انسانی تباہی کے ہتھیار کی تلاش کی خبر ظاہر ہوئی تھی۔ یہ بات بڑے پیمانے پر سب کو معلوم ہو چکی ہے کہ القاعدہ نے 1990ء میں سوڈان میں جنوبی افریقہ سے Radioactive nuclear-rods ریڈیو ایکٹیو نیوکلیئر راڈز (یورینیم) خریدنے کی کوشش کی تھی۔ جو ایٹمی ری ایکٹرز میں موجود تھا۔ اس کام کے لیے القاعدہ نے ایک سوڈانی افسر کو پیسے بھی دیئے تھے، جو ریڈیو ایکٹیو میٹریل حاصل کر سکتا تھا(3)۔ 1999ء میں اس قسم کی خبریں احمد سلامہ مبروک (Ahmad Salama Mabrouk) سے بھی منسوب کی گئی تھیں (جو مصری جماعت الجہاد کا رہنما تھا جسے آذر بائیجان سے پکڑ کر مصر کے حوالے کیا گیا تھا جہاں اس پر مقدمہ چلایا گیا)۔ اس نے بھی اس قسم کے اشارے دیئے تھے کہ القاعدہ ایک ایسے آپریشن کی تیاری کر رہی ہے جس میں غیر روایتی ہتھیاروں کا استعمال ہوگا۔ 11 ستمبر کے حملوں کے بعد تفتیشوں سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ القاعدہ نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور واشنگٹن کے قریب منسٹری آف ڈیفنس (پینٹاگان) پر حملہ کرنے کے بجائے، نیوکلیئر ری ایکٹر پر حملہ کرنے پر غور کر رہی تھی۔ 2001ء میں کابل پر حملے کے نتیجے میں تیزی سے نکلنے کی وجہ سے ایمن الظواہری کے ملنے والے کمپیوٹر سے جو اطلاع موصول ہوئی اس سے عیاں ہوتا تھا کہ بن لادن کی تنظیم، بیالوجیکل ہتھیار استعمال کرنے کے امکان پر بھی غور کر چکی تھی اور اس کا مطالعہ بھی کر چکی تھی۔ بعد میں اس بات کی تصدیق بھی ہوگئی۔ جلال آباد (دارونتا) میں القاعدہ کے کیمپ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہاں بیالوجیکل اور کیمیائی ہتھیاروں کے جنگی ٹیسٹ کیے گئے تھے، جو مدحت مرسی السید (ابو الخباب المری) کی نگرانی میں ہوئے تھے۔ یہ شخص 2008ء میں وزیرستان میں امریکی حملے میں مارا گیا تھا۔

یہ بات بھی بڑے پیمانے پر سب کو معلوم ہو چکی ہے کہ بن لادن نے انسانی تباہی کے ہتھیاروں کے حصول میں بہت مدد دی۔ اس نے اپنی اس رائے کا ایک سے زیادہ بار عوامی سطح پر اظہار کیا کہ ریاست سے دور ہونے کے باوجود یہ ایک اسلامی فرض ہے۔(4) روک تھام کے ہتھیار، چاہے وہ نیوکلیئر، بیالوجیکل یا کیمیائی ہوں، وہ امریکہ کو متشددانہ طریقے سے جوابی کارروائی

سے روکیں گے اور طالبان کو جو کام انہوں نے نہیں کیا، اس کی قیمت نہیں چکانی پڑے گی۔

بینوتمن (ابو محمد اللیبی) بیان کرتا ہے کہ یہ بات مجھ پر واضح ہو چکی تھی کہ القاعدہ رہنماؤں میں کسی بھی قسم کے تعلق کا فقدان تھا، جو 11 ستمبر کے حملوں کی ابتدائی تیاریوں اور امریکہ کے خلاف جنگ کرنے کے طریقے میں ہونا چاہیے تھا۔ ملا عمر طالبان قیادت کے ساتھ ساتھ پاکستانیوں اور بقیہ عربوں نے بھی القاعدہ پر بہت زور دیا۔ وہ سب امریکہ کے خلاف جنگ روکنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ (جو القاعدہ افغان سرزمین سے 1998ء سے یہودیوں اور صلیبوں کے خلاف انٹرنیشنل اسلامک فرنٹ فار جہاد کے قیام کے وقت سے لڑ رہی تھی۔) القاعدہ میں موجود رہنماؤں نے امریکی ردعمل سے افغانستان کو بچانے کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی۔ جو میں جانتا ہوں اور جو میں دیکھ چکا ہوں (2000ء کے موسم گرما میں قندھار میں ہونے والے بدنام اجلاسوں میں حصہ لے کر جو ایک ہفتہ سے زیادہ دن تک ہوتے رہے) وہ یہ بات ہے کہ القاعدہ کا اصلی دھڑا جس میں اسامہ بن لادن بھی شامل ہے، سمجھتا تھا کہ امریکی فوجیں زمینی جنگ شروع نہیں کریں گی اور دوبدو نہیں لڑیں گی۔ یہ القاعدہ کا خیال تھا اس وقت جب یہ 1996ء میں (سوڈان سے) افغانستان لوٹ کر آئے تھے۔ ان کے نزدیک یہ تصور کہ افغانستان میں امریکی فورسز اپنی موجودگی کو برقرار رکھیں گی، بعید از سوچ تھا۔ اسامہ بن لادن کے نزدیک امریکی ''بزدل'' تھے، اس کے اپنے الفاظ تھے: ''ہم نے انہیں صومالیہ میں آزمایا اور وہ صرف کاغذی شیر ثابت ہوئے۔'' (وہ یہاں ان میرینز کا حوالہ دے رہا تھا جو 1993ء میں موگادیشو میں آپریشن ری سٹور ہوپ ''Operation Restore Hope'' میں شامل تھے)۔ اسامہ بن لادن اس بات پر ایمان کی حد تک یقین رکھتا تھا کہ بھاگنے کا عمل امریکیوں کی فطرت میں تھا۔ القاعدہ رہنماؤں کا ایک دھڑا جو ابوالحفص کی سربراہی میں کام کرتا تھا، اس کا خیال تھا کہ امریکہ پر حملے شروع کرنے سے پہلے حفاظتی اور جوابی حملے کے ہتھیار کا حصول ناگزیر تھا تا کہ جوابی حملے کی شدت کو کم سے کم کیا جاسکے۔

بینوتمن بات جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ القاعدہ کے رہنما امریکی انتظامیہ کے لیے انتقامی طور پر کروز میزائل کے استعمال کو ناممکن بنا دینا چاہتے تھے۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ کوئی بھی امریکی حملہ بہت شدید اور خطرناک ہوگا۔ پچھلی بار امریکہ نے 75 راکٹ فائر کیے تھے۔ اب انہیں 200 راکٹ فائر ہونے کی توقع تھی۔ 9/11 کے حملے کے ممکنہ ردعمل کو مشرقی افریقہ میں دو سفارت

خانے اڑانے کے ردعمل سے تصور میں لانے کی کوشش کی گئی۔ وہ صرف اپنے بکھر جانے اور ادھر ادھر ہونے کی صلاحیت پر انحصار کر رہے تھے۔ جو بات القاعدہ کو پریشان کر رہی تھی اور القاعدہ جنگجوؤں کے خلاف تھی، وہ یہ تھی کہ ملا عمر اور طالبان آفیسر، اسامہ بن لادن کو کسی قسم کی رپورٹ نہیں دیتے تھے۔ اس لیے وہ اسامہ بن لادن سے ادھر ادھر ہونے اور بکھر جانے کے احکامات نہیں لے سکتے تھے۔ رہنماؤں نے ہمیں بتایا کہ وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتے ہیں کہ وہ اس قابل ہیں اور وہ اپنے اپنے کیمپس سے دو یا تین ہفتوں یا اس سے بھی زیادہ عرصہ کے لیے دور ادھر ادھر ہو سکتے ہیں۔ یہ بات واضح طور پر ناممکن تھی کہ پوری طالبان حکومت اور اس کے وزراء کو کابل سے باہر کہیں از سرِ نو تعینات کیا جائے۔ القاعدہ کی دلچسپی اس بات میں تھی کہ ملا عمر اور طالبان کو امریکہ کے ہوائی حملوں کو برداشت کرنے کے لیے کس طرح قائل کیا جائے۔ اس امکان میں بھی دلچسپی تھی کہ پورے افغانستان کو امریکی حملوں کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ ابوحفص کمانڈان کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ جب تک القاعدہ کے قبضے میں روک تھام کے غیر روایتی ہتھیار نہ آ جائیں تب تک امریکہ کو اس قسم کی بمباری سے روکا نہیں جا سکتا۔ جس میں اس بات کا امکان بھی تھا کہ امریکہ کو خفیہ اور ملفوف اموات سے بھی نمٹنا پڑے گا۔ جب بینوتمن سے پوچھا گیا کہ کیا اس نے یہ باتیں براہ راست ابوحفص المرسی سے سنی ہیں تو اس نے بلا جھجک جواب دیا کہ میں قندھار میں ہونے والے طویل اجلاسوں میں اس کے ہمراہ تھا، جب القاعدہ کے طے شدہ منصوبے کے تحت حملہ ہونے والا تھا۔ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے اسامہ بن لادن کو امریکہ کے خلاف جنگ ختم کرنے کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی۔ ہم نے اسے کہا کہ ہماری اور تمہاری (پورے عرب جہادیوں کے لیے) دلچسپیاں افغانستان میں ہیں۔ انہیں ہرگز خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ القاعدہ کے ہمارے مباحث سے یہ بات واضح تھی کہ وہ لوگ اس مسئلے کا حل ڈھونڈ رہے تھے کہ وہ کس طرح افغانستان کو یقین دلائیں کہ تنظیم کے اعمال کی قیمت انہیں نہیں چکانا پڑے گی۔ اسامہ بن لادن کے منصوبے کو جن خیالات سے تقویت ملی وہ فقط امریکہ کو اس دلدل میں کھینچ لانا تھا کہ افغانستان اس کے لیے واقعی دلدل ثابت ہوتا۔

طالبان اور عرب

جب القاعدہ نائن الیون حملوں کی منصوبہ بندی کر رہی تھی، اسے خبر تھی کہ افغانستان میں

بہت سے لوگ امریکہ کے خلاف جنگ کو خوش آمدید نہیں کہیں گے۔ بہت سے عرب جہادیوں (5) کا خیال تھا کہ اس وقت وہ اپنی حیثیت کو افغانستان میں دوبارہ قائم کر سکتے ہیں۔ ان شکستوں کے بعد جو انہوں نے 1990ء میں مشرق وسطیٰ اور خاص طور پر مصر، الجیریا اور لیبیا میں برداشت کی تھیں۔ مختصر یہ کہ وہ اس بات سے آگاہ تھے کہ اسامہ بن لادن کی امریکہ کے خلاف کھلی جنگ انہیں اس کا حصہ بنے بغیر بھی متاثر کر سکتی ہے۔ طالبان تحریک جو بذات خود ان عرب جہادیوں کی میزبانی کر رہی تھی، اس بات پر یقین رکھتی تھی یا اس کے کچھ رہنماؤں کو یقین تھا کہ افغانستان میں کچھ عرب، ریاست کے اندر ریاست کا کردار ادا کر رہے ہیں، تاہم حکمران افغان حکومت نے عرب کمیونٹی کو باقاعدہ اور منظم کرنے کے لیے کئی اقدامات کیے جو افغان وزارت دفاع کی نگرانی میں ہوئے۔ طالبان حکومت نے 2000ء میں ایک صوفی ملا عبید کو وزیر دفاع مقرر کیا۔ اپنی دفتری ذمہ داریاں حاصل کرنے کے بعد اس نے تیزی سے کئی اقدامات کیے جن سے عربوں نے خود ہدف بنتے محسوس کیا۔ خاص طور پر خالد بن کیمپ کو، جسے ابن الشیخ اللبی خوست میں چلاتا تھا، کو دیگر کیمپوں کے ساتھ بند کر دیا گیا۔ طالبان حکومت نے تمام جہادی گروہوں بشمول عرب گروہوں سب کو ایک غیر عربی جمعہ نمنگنی (ازبکستان کی اسلامی تحریک کا کمانڈر اور طاہر جان یلداشیو کے بعد دوسرا سربراہ تھا) کی ماتحتی میں کر دیا۔ عربوں نے ازبک ملٹری کمانڈر کی ماتحتی میں آنے والے طالبان کے فیصلے پر رضامندی ظاہر کی کیونکہ یلداشیو (Yulda She) اور القاعدہ کے رہنما کے درمیان شدید اختلافات تھے۔ جو ملا عمر کی مداخلت سے ختم ہوئے۔ آج یہ بات بالکل عیاں ہے کہ عرب طالبان اور ازبک مہمانوں کے درمیان جو ناچاقی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اسامہ بن لادن طاہر جان یلداشیو کے رویے کو ناقابل قبول سمجھتا تھا۔ طاہر جان نے اسلحہ سے مسلح آدمیوں کے دو بھرے ٹرک بھیجے کہ وہ القاعدہ کی رہائش میں داخل ہو کر اپنے دو ازبک جوانوں کو بازیاب کروائیں جنہوں نے ازبک اسلامی تحریک، بن لادن کے سلفی نظریات سے متاثر ہو کر چھوڑ دی تھی۔

یہ معاملہ اس بات کی وکالت کرتا ہے کہ طالبان مکمل طور پر کچھ عرب گروہوں کی سرگرمیوں سے مطمئن نہ تھے۔ خاص طور پر القاعدہ سے تو بالکل مطمئن نہیں تھے۔ یہ بات آج تک معمہ ہے کہ بن لادن نے طالبان افسروں اور ملا عمر کو بذات خود نائن الیون حملوں کے متعلق کچھ بتایا تھا یا نہیں۔ بینو تمن اس حوالے سے زور دیتے ہوئے کہتا ہے کہ افغانستان میں عربوں کی طرح

طالبان اس بات سے آگاہ تھے کہ القاعدہ امریکہ پر حملوں کی تیاری کر رہی ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے امریکہ کو جلد ہونے والے حملوں کی قبل از وقت اطلاع دی تھی۔ تاہم وہ صحیح تاریخ اور مقام کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔

بینو تمن یہ بات ایک اہم طالبان مُلّا جلیل سے منسوب کرتا ہے کہ وہ امریکہ کو اطلاع دینے والے دھڑے میں کلیدی حیثیت کا حامل تھا۔ اگر یہ بات درست ہے تو تحریک کی قیادت امریکہ کو یہ بات باور کرانا چاہتی تھی کہ یہ کسی واحد رکن کی خواہش نہیں تھی۔

یہ بات تو بالکل عیاں ہے کہ ملا جلیل، طالبان رہنما کے بہت قریب تھا۔ وہ ملا عمر اور ملا احسان کے ساتھ اس تحریک کے بنیاد گزاروں میں تھا۔ (ملا جلیل اس وقت مارا گیا تھا جب طالبان کابل کا قبضہ 90ء کی دہائی میں شیعت یونٹی پارٹی اور ازبک جنگجوؤں، جو عبدالرشید دوستم کی قیادت میں لڑ رہے تھے، سے لینے کی کوشش کر رہے تھے۔)

بینو تمن کے مطابق نائن الیون حملے سے ایک ہفتہ پہلے ملا جلیل نے نیویارک میں موجود اپنے طالبان کی نمائندگی کرنے کے ذمہ داروں کو حکم دیا کہ وہ امریکی انتظامیہ تک یہ بات پہنچائیں کہ القاعدہ امریکہ پر حملوں کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔ امریکیوں کو بتایا گیا کہ افغانستان میں القاعدہ کی معمول سے ہٹ کر سرگرمیاں (مباحث اور حرکات کی صورت میں) جاری ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ القاعدہ کے جنگجو کابل سے باہر پیچھے ہٹ رہے ہیں اور کچھ جنگجو اپنی جگہوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ اور تورا بورا کی جانب جا رہے ہیں۔ اپنے پیغام میں طالبان نے یہ بھی بیان دیا کہ القاعدہ کسی بڑے آپریشن کو عملی صورت دیتی محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن انہیں تاریخ اور ہدف کے بارے کچھ معلوم نہیں۔

یہ بات واضح نہیں کہ طالبان امریکہ کے خلاف ہونے والے حملے سے خبردار کیوں کرنا چاہتے تھے۔ اور کہیں اس کا مقصد اپنی ذمہ داری سے مکمل طور پر دستبردار ہونا تو نہیں تھا، یا القاعدہ کے حملوں کے نتیجے میں جوابی حملوں سے بچنا تو مقصود نہیں تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف طالبان ہی نہیں تھے جو عنقریب ہونے والے حملوں سے واقف تھے۔ بینو تمن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ LIFG کے رہنما جو کابل میں موجود تھے ان کے ساتھ دیگر جہادی دھڑوں کے رہنماؤں کو تب اطلاع دی تھی کہ امریکہ پر جلد حملہ ہونے والا ہے اور انہیں یو۔ایس کے ممکنہ ردِعمل کے لیئے تیاری کرنی چاہیئے۔ بینو تمن اس بات کو صاف

شفاف بیان کرتا ہے کہ 9/11 سے ایک ہفتہ پہلے افغانستان میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ بہت جلد ایک کاروائی ہونے والی ہے جس سے کسی قسم کی پریشانی یا بے ترتیبی ہو سکتی ہے اور ہر شخص کو تیار رہنا چاہیے۔ مجاہدین اور ان کے رہنماؤں (سوائے القاعدہ کے رہنماؤں کے) نے اسی حوالے سے بہت آمادہ کرنے والے مباحث کیئے کہ یو۔ایس پر ہونے والے حملوں سے کیا کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔ ان مباحث میں عوام نے دیکھا کہ لوگ دو گرہوں میں تقسیم ہو گئے۔ (ایک وہ جو حملے کے حق میں تھے ایک وہ جو مخالف تھے) ڈاکٹر ایمن الظواہری نے حملے کے ممکنہ نتائج کے سبب لوگوں کو تیار کرنے کے لئے دورہ کیا۔ اس نے افغنستان کے امیر (طالبان) پر جہاد کو متاثر کرنے کا الزام لگایا اور کہا کہ جو بھی گروہ جہاد کو متاثر کرے گا اس کا حکم نہیں مانا جائے گا۔ ابو حفص المور یطانی (القاعدہ کی مذہبی کمیٹی کا سربراہ) نے اس خیال کو رد کر دیا جس کی وجہ سے اس کے اور ایمن الظواہری کے درمیان شدید لڑائی شروع ہوگئی۔ جس کے کیمپ میں موجود ہزاروں چشم دید گواہ تھے۔ جب ایمن الظواہری اسے اخلاقی طور پر قائل کرنے میں ناکام ہو گیا اس نے اسامہ بن لادن سے ابو حفص المور یطانی پر بندش لگانے کی درخواست ان بنیادوں پر کی کہ وہ القاعدہ کے مفادات کو نقصان دے رہا ہے اور اس کے منصوبوں کو داؤ پر لگا رہا ہے۔ بینو تمن مزید کہتا ہے کہ ان مباحث کا آغاز کاروائی سے ایک ہفتہ پہلے شروع ہوا جو حملے کے بعد کے انجام اور نتائج سے معاملہ کرتے تھے۔ افغانستان میں عربوں کے رویے کی فہم کرنا کافی مشکل ہے کیونکہ اس سے القاعدہ کے جہادی رویے کے مجموعی تاثر پر زد پڑتی ہے۔ حقیقت میں بہت سے عربوں نے فوری طور پر افغانستان کو چھوڑ دیا اور القاعدہ کی مخالفت کی۔ انہوں نے اس میں شمولیت اختیار کی اور نہ ہی لڑنے کے جہادی عہدے حاصل کیئے۔ دوسری طرف القاعدہ کے ارکان افغانستان میں جمے رہے۔ اور (سوائے ان لوگوں کے جو اس وقت تک گرفتار ہو چکے تھے) انہوں نے اس دن تک افغانستان نہیں چھوڑا تھا۔ القاعدہ ارکان افغانستان۔ پاکستان۔ ایران کی تکون میں موجود ہے۔ ایسی تکون جس میں اس تنظیم کے تمام اصلی ارکان محفوظ رہتے ہیں اور ان لوگوں کو پناہ دیتی ہے جنہوں نے حملے کے بعد اس میں شمولیت اختیار کی۔

2

افغانستان میں عربوں کی جنگ اور القاعدہ کا کابل کے دفاع کے لئے جنگجو نہ بھیجنا

اسامہ بن لادن کا امریکہ پر 9/11 کے حملے کے چند دن بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ امریکہ جوابی ردِعمل ویسا نہیں کرسکتا تھا جس کی القاعدہ نے غلط طور پر پیش گوئی کی تھی کہ افغانستان پر محض تھوڑے سے کروز میزائل داغے جائیں گے۔ اسامہ بن لادن کا امریکیوں کے بارے میں خیال تھا کہ وہ بزدل ہوں گے۔ افغانستان میں زمینی جنگ نہیں کریں گے اور اپنی نیوی کے مختلف جہازوں سے میزائل نہیں داغیں گے۔اس کے بجائے امریکی القاعدہ کے ساتھ دوبدو لڑے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی اور پینٹاگون پر حملے چھوٹے پیمانے پر نہیں کیے گئے تھے جسے کوئی بھی انتظامیہ عام سے واقعات سمجھ کر سرسری گزر سکتی تھی۔ یہ امریکی سرزمین پر پہلے حملے تھے۔ اور یہ اتنے بڑے پیمانے پر تھے جتنے پیمانے پر 1941ء میں پرل ہاربر پر جاپانیوں نے حملے کیے تھے۔

حقیقت میں القاعدہ اغواہ شدہ جہازوں کے ذریعے حملے کی برسوں سے منصوبہ بندی کر رہی تھی۔ تاہم اس کاروائی کے انجام نے تنظیم کی اپنے کئے اعمال کے نتائج سے نبٹنے کی نااہلی ظاہر کردی۔ القاعدہ کو امریکیوں کے افغانستان آنے کی ہرگز توقع نہ تھی۔لیکن وہ چلے آئے۔ القاعدہ کو طالبان کے سابق اتحادی اور افغانستان سے باہر اس کے اہم ترین حمایتی

پاکستان سے توقع نہیں تھی کہ وہ امریکہ کا ساتھ دے گا۔لیکن پرویز مشرف کی انتظامیہ اور اس کی انٹیلی جنس سروسز نے القاعدہ اور طالبان کے خلاف سب سے پہلے حمایت کی۔القاعدہ نے ایک اور حساب کتاب میں جو غلطی کی وہ ملا عمر کی حکومت کے ردِعمل کے حوالے سے تھی اگر امریکہ افغانستان پر چڑھائی کرتا ہے تو کیا ہوگا۔طالبان کا اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے کرنے سے انکار سے ہٹ کر القاعدہ کو یہ دیکھ کر بہت بڑا دھچکا لگا کہ 2001ء میں طالبان اور جنوبی اتحادی قوتیں حملہ آور یو۔ایس سے لڑنے کے بجائے تیزی سے غائب ہو رہی تھیں۔طالبان کے غائب ہونے اور مزاحمت کے دم توڑنے کا مطلب یہ تھا کہ عرب جہادی گروپ ہی اس حملے کی مزاحمت کرے گا۔کچھ لوگ تو کہیں جا بھی نہیں سکتے تھے۔حتیٰ کہ پاکستان جو القاعدہ اور طالبان کے لئے فطری پناہ گاہ تھا وہاں پاکستان کی انٹیلی جنس سروسز نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔اور افغانستان میں امریکہ سے بچنا مشکل تھا۔تاہم حقیقت یہ ہے کہ عربوں نے افغانستان میں صرف تین جنگیں لڑیں اور سب میں جنگی سوجھ بوجھ کی کمی کا مظاہرہ کیا۔سب سے پہلے کابل کا دفاع تھا لیکن القاعدہ نے وعدہ کر کے اس میں شمولیت نہ کی دوسری قندھار ائیر پورٹ کی جنگ تھی۔جسے القاعدہ کے ملٹری آفیسر نے مصری سیف العادل نے واکی ٹاکی سیٹوں کے ذریعے لڑنے کی کوشش کی۔تیسری جنگ تورا بورا کے پہاڑوں میں لڑی گئی جس کی قیادت اسامہ بن لادن کے بعد ابن الشیخ اللیبی اور ابو طاہر البحرینی نے کی۔

9/11 کے بعد القاعدہ کو یہ بات سمجھنے میں چند دن لگے کہ بش انتظامیہ کا ردِعمل کلنٹن انتظامیہ سے مختلف ہوگا۔کلنٹن انتظامیہ نے افغانستان میں خالی کیمپوں پر چند میزائل برسائے تھے اور اسی پر اکتفا کر لیا تھا۔محمد عاطف کے حفاظتی اور روک تھام کے ہتھیار حاصل کرنے کے منصوبے میں القاعدہ کامیاب نہیں ہو پائی تھی۔انھوں نے ایک مہم کا سوچا جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ افغانستان پر حملے کے خطرے کو روک دے گی۔یا تاخیر کا باعث ضرور بنے گی۔امریکہ کو یہ باور کرانے کا منصوبہ تھا کہ ان کے پاس انسانی تباہی کے ہتھیار ہیں اور وہ افغانستان پر حملے کی صورت میں انھیں استعمال سے ذرا بھی نہیں ہچکچائیں گے۔

ویسا مضمون لکھا جس کی اسے ضرورت تھی۔وہ کسی بھی عالمی سطح پر تقسیم ہونے والے عربی اخبار میں انسانی تباہی کے ہتھیاروں سے متعلق جھوٹ شائع کرنے کے قابل نہیں تھا۔اس

نے وطن پرست عربی اخبار میں اسے شائع کیا جو بیروت سے چھپتا تھا۔ یہ وہی رپورٹر تھا جسے سابقہ لیبیا کے اسلام پسند بینوتمن نے دوسری بار کوئٹہ (بلوچستان، پاکستان) بھیجا تھا ملا عمر کے ساتھ انٹر دیو کا بندوبست ہو جانے کے بعد وہ وہاں پہنچا تھا۔ ملا عمر صحافیوں سے بہت کم ملتا تھا اور میڈیا انٹرویوز میں بھی کم نظر آتا تھا ہونے والا انٹرویو اشراق الاوسط میں شائع ہو۔(6) یہ بات واضح نہیں کہ امریکیوں نے القاعدہ کی باتوں پر یقین کیوں نہ کیا۔ کیا وہ اس بات سے باخبر تھے کہ بن لادن کی تنظیم کے پاس ایسا کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ بش انتظامیہ نے اپنے منصوبے پر عمل کیا جو افغانستان پر حملے کے لئے جلد بازی میں تیار کیا گیا تھا۔ خاص طور پر کوئٹہ میں خفیہ روابط کی ناکامی کے بعد حملے کا فیصلہ کیا گیا

خفیہ رابطوں کی کوششوں میں امریکی نمائندوں نے طالبان قیادت سے اسامہ بن لادن ان کے حوالے کرنے کو کہا اور القاعدہ کے وہ عہدے دار جن پر 9/11 کے حملوں میں ملوث ہونے کا شک تھا۔ وہ بھی حوالے کرنے کو کہا لیکن طالبان قیادت نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ اسلامی قانون کے تحت اسے (ایک مسلم کو غیر مسلم کے حوالے کرنا) امریکیوں کے حوالے کرنا غیر شرعی ہے۔ طالبان نے یاد دہانی کروائی کہ وہ امریکہ کو القاعدی شدید قسم کے حملوں کے بارے میں پہلے سے بتا چکے ہیں اس لئے امریکہ اپنی حفاظت کی ناکامی کی صورت میں طالبان کو ذمہ دار نہ ٹھہرائے۔ اگر چہ اس قسم کی اطلاعات میں تاریخ اور ہدف کا تعین نہیں تھا۔

کابل

امریکہ کے ممکنہ ردِعمل میں کے بارے میں خبردار کر کے عرب مجاہدین 9/11 کے حملوں سے ایک ہفتہ قبل کابل کو چھوڑنے لگے۔ بہت سے لوگوں نے افغانی دارالحکومت کو چھوڑ دیا۔ لیکن کئی لوگ طالبان کی دفاع کے حوالے سے مدد کرنے پر اصرار کر رہے تھے۔ ابو اللیث اللیبی (جو LIFG کا نمایاں اور اہم رہنما تھا) اس کے ساتھ سمیع السعدی (ابو المنذر جو LIFG کا قانونی مشیر تھا) بھی رک گیا۔ ابو اللیث ان تھک اور باہمت جنگجو تھا اس نے فیصلہ کیا کہ افغانی دارالحکومت کے دفاع کا بہترین علاقہ شمالی علاقہ (جبل الشامل) ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے بہت سے جنگجو شامل کر لئے۔ جبلِ شامل وہ علاقہ ہے جو طالبان اور شمالی اتحاد کے درمیان

حدِ فاصل بنتا ہے۔شمالی اتحاد کی قیادت احمد شاہ مسعود (شیرِ پنجکوہ) کے پاس تھی جسے القاعدہ نے 9/11 سے دو دن پہلے قتل کر دیا تھا۔

ابو اللیث نے القاعدہ کی قیادت سے رابطہ کیا اور جبیحِ شمال کے دفاع کی اہمیت بیان کی اور سقوط کابل کو روکنے کی ضرورت پر زور دیا۔کیونکہ یہ امارات کا دارالحکومت تھا۔یہاں تمام حکومتی انتظامیہ موجود تھی۔بینو تمن کے مطابق القاعدہ نے ابتدائی طور پر کابل کے دفاع کے لئے دو سو جنگجو بھیجنے کی درخواست قبول کر لی۔لیکن کئی دنوں کے انتظار کے بعد جنگجو نہ پہنچے۔ابو اللیث نے چھان بین کی تو القاعدہ رہنما نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ جنگجوؤں کی مطلوبہ تعداد وہ نہیں بھیج سکتے کیونکہ تربیت یافتہ جنگجو تورا بورا کی طرف جا رہے ہیں ۔ جہاں انہیں بن لادن کا ساتھ دینا ہے۔القاعدہ نے پچاس جنگجو بھیجنے کا وعدہ کیا جو کبھی نہیں پہنچے۔اس نے دوبارہ القاعدہ سے رابطہ کیا اسے خالی وعدوں پر ٹرخا دیا گیا۔مختصر یہ کہ القاعدہ نے کابل کے دفاع کے لئے کوئی جنگجو نہ بھیجا۔جسے دیگر شہروں کی طرح شمالی اتحاد نے 12 نومبر کو مفتوح کر لیا۔

بینو تمن کا کہنا ہے کہ کابل کی جنگ دھوکے سے شروع ہوئی افغانی دارالحکومت کے زوال کے بعد بینو تمن کا ابو اللیث سے رابطہ ہو چکا تھا جب وہ پاکستان روانہ ہوا۔بینو تمن کا کہنا ہے کہ کابل کا دفاع ممکن تھا ابو اللیث نے بن لادن کو کابل کے دفاع کے لئے جنگجو بھیجنے کو کہا، اسے یقین تھا کہ شمالی اتحاد کی فوجیں کابل میں داخل ہونے سے روکی جا سکتی تھیں اگر کابل بچا لیا جاتا تو کوئی بڑا نقصان نہ ہوتا۔

وہ مزید کہتا ہے کہ ابو اللیث وہاں بہادری سے لڑ رہا تھا۔ابو المنظر اور دیگر جنگجو اس کے ساتھ تھے۔اس نے بن لادن کو جنگجو بھیجنے کے لئے کہا کیونکہ اسے مزید جنگجوؤں کی ضرورت تھی۔وہ سمجھتا تھا کہ افغانیوں کو (طالبان) کو شکست دی جا سکتی تھی افغانی بہت سخت جنگجو تھے لیکن پریشانی میں اور تذبذب میں پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ابو اللیث جن عرب جنگجوؤں کی قیادت کر رہا تھا ان کا دعویٰ تھا کہ وہ کابل کا دفاع کر سکتے ہیں۔انھیں یقین تھا کہ اگر وہ بچ گئے تو دشمن کو روک لیں گے اور وہ افغانستان پر قبضہ نہیں کر سکے گا۔انھیں واقعی یقین تھا کہ وہ اپنے مخالفین کو شکست دیں گے۔انھوں نے سوچا تھا اگر وہ بچ گئے جس طرح سودیت یونین کے معاملے میں ہوا تھا اس سے افغانیوں کو بہت حوصلہ ملے گا۔وہ لڑنے کے لئے ڈٹ جائیں گے۔انھوں نے القاعدہ اور

اسامہ بن لادن سے رابطے کیے اور دو سو جنگجو بھیجنے کو کہا، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے انھوں نے دو سو جنگجو جبع شال پر جوابی حملے کے لیے مانگے تھے۔ انھوں نے کئی دن تک انتظار کیا لیکن جنگجو نہ آئے۔ انھوں نے دوبارہ القاعدہ سے رابطے کی کوشش کی تو انھیں بتایا گیا کہ اس وقت کسی بھی قسم کے جنگجوؤں کی دستیابی ممکن نہیں۔ القاعدہ قندھار اور تورا بورا میں جنگجوؤں کو جنگ کے لیے مختلف جگہوں پر جنگ کے لیے تعینات کر رہی تھی، تاہم القاعدہ نے پچاس جنگجو بھیجنے کا وعدہ کیا۔ انھوں نے جب بھی القاعدہ سے رابطہ کیا تو القاعدہ نے ہر بار وعدے کے مطابق بھیجے جانے والے جنگجوؤں کی تعداد میں کمی کی۔ آخر میں القاعدہ نے ایک جنگجو بھی نہ بھیجا۔

بینوتمن کے مطابق ابواللیث اور ابوالمنظر کابل سے اس وقت تک دستبردار نہ ہوئے جب تک اسے فتح نہ کر لیا گیا۔ کابل کی جنگ میں LIFG کے چار لڑاکا کام آئے جو شمالی اتحاد کے علاقے میں گھس گئے تھے۔ ان میں سے ٹریولی کا اسد اللہ تھا جس کا ابواللیث سے رابطہ تھا۔ اس نے فون پر اپنی آخری گفتگو پر بتایا کہ دشمن نے انھیں گھیر لیا ہے اور وہ ہتھیار ڈالنے سے انکار کر رہے ہیں، وہ مرتے دم تک لڑتے رہے۔ ابواللیث سے اس نے آخری الفاظ یہ کہے "خدا نے چاہا تو ہم جنت میں ملیں گے"

اس وقت بہت سے عرب حیران تھے کہ طالبان نے دارالحکومت یا دیگر بڑے شہروں کو بچانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ طالبان کو علم تھا ان کے جنگجو ان شہروں کے لیے اجنبی نہ تھے جونہی وہ ہتھیار ڈال دیں گے ان کی حیثیت عام شہریوں جیسی ہو جائے گی اور بعد میں وہ دوبارہ خود کو منظم کر لیں گے۔ اور غیر ملکی قوتوں کو نکالنے کے لیے گوریلہ جنگ شروع کر دیں گے۔ اس بات سے وضاحت ہوتی ہے کہ طالبان اپنے شہروں کے دفاع کے لیے شدت سے کیوں نہ لڑے، بہت سے عرب اس وقت وجہ نہ جان پائے لیکن آج وہ سمجھ چکے ہیں جب طالبان دوبارہ متحد ہو چکے ہیں اور جنوبی افغانستان میں اپنا اثر ورسوخ بڑھا چکے ہیں۔

قندھار ائیر پورٹ کے لیے جنگ

12 نومبر کو کابل کی شکست کے بعد توجہ پشتون ریاستوں خاص طور پر قندھار کی طرف منتقل ہوئی جو طالبان کا روحانی دارالحکومت تھا۔ قندھار میں حملے کے ابتدائی دنوں میں القاعدہ کو ابو

حفص المری کی موت کا نقصان اٹھانا پڑا۔اور یرموک گیسٹ ہاؤس پر امریکیوں کے چھاپے سے مزید 17 لوگوں کا نقصان ہوا یہ گیسٹ ہاؤس ایک خفیہ جگہ پر تھا جو 9/11 کے حملے سے دو ماہ پہلے قائم کیا گیا تھا۔ابو حفص المری اس وقت مارا گیا جب وہ ڈی۔وی۔ڈی کا انتظار کر رہا تھا جس کی اس نے پہلے ہی سے درخواست کر رکھی تھی۔یہاں بھی طالبان انتظامیہ کے آخری علاقے میں شدید قسم کی جنگ لڑنے کی وسیع تیاریوں کے بجائے ملا عمر نے 7 دسمبر کو جنگ روکے بنا شہر چھوڑنے کے فیصلے کی منظوری دی۔یہ وہ دن تھا جب طالبان حکمرانی کا افغانستان میں خاتمہ ہوا۔کہا جاتا ہے کہ ملا عمر نے موٹر سائیکل لی اور جنوب کی جانب اروزگان کی طرف بھاگ گیا بعد ازاں پاکستان کا رخ کیا۔اس نے جلاوطنی میں طالبان کو منظم کیا اور نئی کونسل جسے کوئٹہ شوریٰ کہتے ہیں کے تحت کام شروع کیا۔کوئٹہ بنیادی طور پر طالبان کا بنیادی شہر ہے۔

جب طالبان قندھار میں ہتھیار ڈالنے کی تیاری کر رہے تھے اس وقت القاعدہ وہاں سے کئی میل دور جنگ کر رہی تھی جس کا کوئی ہدف اور مقصد نہیں تھا۔اور ایک ایسے دشمن سے جنگ کر رہی تھی جس کے پاس آدمیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور پوری طرح سب مسلح تھے۔القاعدہ نے شہر سے باہر دس میل کی دوری پر صحرائی علاقے میں قندھار ائیر پورٹ میں امریکیوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جو لوگ لڑنے کے لیے موجود تھے وہ القاعدہ کے نہیں تھے، وہ محض رضا کار تھے جنھوں نے افغانستان میں جہاد کی تربیت میں شمولیت کی تھی۔نعمان بینو تمن کے مطابق جسے جنگ میں زندہ بچ جانے والے لوگوں نے تفصیلات بتائی تھیں، اس جنگ کی قیادت سیف العادل نے دوری سے کی تھی وہ واکی ٹاکی سیٹ سے احکامات دیتا تھا۔

چند سال پہلے مجھے اس جگہ کا دورہ کرنے کا اتفاق ہوا جہاں عرب قندھار ائیر پورٹ کے اندر جمع ہو رہے تھے، نیٹو کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے ائیر پورٹ کے اندر مجھے اس جگہ کی سیر کرائی جو اب دنیا کے مختلف ممالک سے آئے فوجیوں کا بہت بڑا کیمپ بن چکی تھی۔یہ فوجی طالبان اور القاعدہ کے خلاف جنگ میں شامل تھے۔وہ افسر ائیر پورٹ کے اندر بنے ایک کنکریٹ کے بنکر کے پاس اچانک رکا اور مجھے بتایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں عرب جمع تھے اور انھیں یہیں مارا گیا۔وہ عمارت کے سب سے نشیبی حصے کی بات کر رہا تھا جسے گرد اور مٹی نے ڈھانپا ہوا تھا۔عرب یہاں بھی جمع تھے اور ائیر پورٹ کے دیگر حصوں میں بھی جہاں وہ امریکی حملہ آوروں کا انتظار کر رہے

تھے۔لیکن جب امریکی آئے تو وہ انھیں شکست نہ دے سکے کیونکہ ان کے پاس جنگجوؤں کی کمی تھی۔ امریکی جہازوں نے عربوں کی قلعہ بندیاں تباہ کر دی تھیں اس سے پہلے کہ وہ پیچھے ہٹتے یا ان کے درجنوں فوجی قتل کر پاتے۔ بینوتمن کے نزدیک ایئر پورٹ کی لڑائی میں کچھ عجیب وغریب بات ضرور ہے جس میں عربوں کی ایک بڑی تعداد ماری گئی۔القاعدہ قندھار ایئر پورٹ کے رن وے کے دفاع پر اصرار کرتی تھی لیکن اس جگہ کی کیا اہمیت تھی۔

یہ بات عسکری پس منظر اور اس کے جنرل (سیف العادل ایک سابقہ مصری فوجی افسر تھا) کے تجربے کے باوجود عسکری حماقت کی آئینہ دار ہے۔اس نے مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا'' ایک گوریلہ جنگجو اس طرح مسلح قوتوں کا باقاعدہ مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مٹھی بھر لوگ ایئر پورٹ کا دفاع کیسے کر سکتے تھے۔جب کہ ان کے پاس صرف مشین گنیں اور آر۔پی۔جی تھیں،امریکیوں کو روکنے کے لیے انھیں بہتر ساز وسامان اور بھاری ہتھیاروں کی ضرورت تھی جو ہوائی حملوں کو مناسب طور سے روک پاتے۔عجیب بات یہ تھی کہ سیف العادل اس جنگ کی قیادت فاصلے پر رہتے ہوئے کر رہا تھا۔ دوسرے جنگجو دست بردار ہونا چاہتے تھے لیکن اس نے انھیں وہیں رہنے پر زور دیئے رکھا۔

میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جنھوں نے جنگ میں حصہ لیا اور ان سے بات چیت کی کہ وہاں کیا ہوا؟ میں انھیں پیغام بھیج رہا ہوں کہ وہاں کیا ہوا اس پر عوام کے سامنے بات کریں۔میں جانتا ہوں وہ القاعدہ کے جنگجوؤں اور دیگر عربوں کی اموات کا ذمہ دار سیف العادل کو ٹھہراتے ہیں مجھے امید ہے سیف العادل اپنی حیثیت اور عمل کا دفاع کرنے کے قابل ہے۔وہاں تنزانیہ کا ایک جنگجو تھا جو ایئر پورٹ کی جنگ میں دو گولیاں لگنے سے زخمی ہوا لیکن فاصلہ ہونے کے باوجود وہ شہر (قندھار) میں کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا، جنگ کے دوران کیا کچھ ہو چکا تھا، اس نے اس بارے میں مختصر لیکن تپی تلی تفصیل بتائی اور قندھار کو چھوڑ دیا، اس لیے مجھے امید ہے کہ سیف العادل اپنا دفاع کرنے کے قابل ہوگا اور ان احکامات کی وضاحت کرے گا جو اس نے دستبرداری کے لیے دیئے۔اس تنزانیہ کے زخمی کے مطابق وہ ان جنگجوؤں سے رابطہ کیا کرتا تھا اور انھیں کہتا فلاں بن فلاں ایئر پورٹ سے نکل آئے۔پھر وہ کال کرتا اور کہتا کہ فلاں آدمی ایئر پورٹ چھوڑ دے، وہ تمام لوگ جنھوں نے ایئر پورٹ کو چھوڑا وہ القاعدہ کے جنگجو تھے۔جو پیچھے باقی لوگ بچے ان کا کوئی

عسکری تجربہ نہیں تھا۔انھیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہاں سے نکل کر کہاں جانا ہے۔انھیں وہاں تنہا چھوڑ دیا گیا''

زندہ بچنے والوں نے القاعدہ اور خاص طور پر سیف العادل پر الزام لگایا۔القاعدہ جو دوسروں سے شفافیت اور احتساب کا تقاضا کرتی ہے لیکن خود پر یہ قانون لاگو نہیں کرتی ہے، القاعدہ ناکام ہو چکی ہے اور اپنی نااہلیت ثابت کر چکی ہے اس کا احتساب ہونا ضروری ہے۔میں مجاہدین کو دعوت دیتا ہوں جو کسی بھی الزام سے خوف نہیں کھاتے ہیں، آگے آئیں اور انھی خواص کا مظاہرہ کریں جن کا تقاضا وہ حکومتوں سے کرتے ہیں۔شفافیت، احتساب اور ذمہ داری جب تک اسلام پسندوں کو (دیگر مسلمانوں کو خارج کر کے) خدا چن نہیں لیتا اور دیگر ذرائع سے بہرہ مند نہیں کرتا، بینوتمن اس بات کا انکشاف کرتا ہے۔قندھار ایئر پورٹ میں لڑی جانے والی جنگ کے گواہوں کی خاصی تعداد ایران کی طرف بھاگ گئی۔جہاں انھیں سپیشل کیمپوں میں رکھا گیا جو انقلابی گارڈ چلاتے تھے ایک شدید قسم کی بحث ان کے درمیان چھڑ گئی کہ اس جنگ کا ذمہ دار کون تھا بینوتمن ان لوگوں میں سے چند ایک ساتھ اپنے رابطوں کا دعویٰ کرتا ہے جنھوں نے حال ہی میں ایران کو چھوڑا ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آخری بات ان تفصیلات کی بنیاد پر کہی گئی جو بینوتمن نے مہیا کی تھیں۔جو القاعدہ کا کھلا ڈلا نقاد تھا۔اگرچہ اس کی باتیں متنازعہ ہو سکتی ہیں لیکن ہم انھی باتوں کا حوالہ دے سکتے ہیں جب تک القاعدہ اپنی جانب سے خاموش رہتی ہے۔سیف العادل ان لوگوں میں سے ایک تھا جو 9/11 کے حملوں کے بعد ایران چلے گئے تھے۔یہ بات بھی اس کے بارے میں کہی جاتی ہے کہ اسے وہاں مزاحمتی مرکز میں رکھا گیا۔اس لیے موجودہ حالات میں اپنا دفاع کرنا اس کے لیے ناممکن ہے۔اور اپنا نقطہ نظر اور بیان پیش کرنا بھی ناممکن ہے۔

تورا بورا کی جنگ

نیویارک اور واشنگٹن کے حملوں کے فوری بعد اور کابل و قندھار کے مفتوحہ ہونے سے پہلے اور طالبان حکمرانی کے خاتمے سے پہلے اسامہ بن لادن سپین گر میں تورا بورا کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا جو پاکستانی سرحد کے ساتھ ننگرہار صوبے میں واقع ہے۔اسے معلوم تھا کہ امریکیوں کو

اس کا سر مطلوب ہے کیونکہ حملوں کا بنیادی ذمہ دار وہی تھا۔ اسامہ بن لادن براہ راست تورا بورا پہنچا کیونکہ یہ علاقہ القاعدہ کا جہاد کے دنوں سے جانا پہچانا تھا۔ وہاں جانے سے قبل اسامہ بن لادن کئی جہادیوں سے ملا جن میں اس کے سابقہ ناقدین بھی شامل تھے

ان لوگوں میں سے کچھ نے اسامہ بن لادن کا ساتھ دینے اور شانہ بشانہ لڑنے کا اعلان کیا۔ ان میں سے ایک مشرقی اسلام پسندوں میں بہت جانا پہچانا شخص بھی تھا جو اکثر اسامہ بن لادن سے اختلاف کرتا تھا۔ لیکن کچھ دیگر لوگوں نے جن میں القاعدہ کے ابوحفص الموریطانی (جو القاعدہ کی مذہبی کمیٹی کا سربراہ تھا) اور ابو محمد الذایت سکیورٹی آفیسر جیسے رہنماؤں نے بھی اپنے رہنما اسامہ بن لادن کی کارروائیوں سے اتفاق نہ کیا۔ انہوں نے ان کارروائیوں کو غیر شرعی سمجھا تھا کیونکہ انہوں نے ملا عمر کی ہدایات کی خلاف ورزی کی تھی۔ جن سے اسامہ بن لادن نے وعدہ کیا تھا۔

یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ آیا اسامہ بن لادن کو امریکی بزدلوں سے تورا بورا تک آنے کی توقع تھی یا نہیں۔ نا صرف امریکہ نے اپنی سپیشل فورسز کر برف سے لدے پہاڑوں میں القاعدہ کا تعاقب کرنے کے لیے موسم سرما کے لمبے دورانیے میں بھیجا بلکہ برطانیہ نے بھی اسامہ بن لادن کے جنگجوؤں کے ساتھ دو بدو لڑنے کے لیے (SAS) کمانڈوز بھیجے۔ تاہم حقیقت میں اصلی جنگ افغانوں نے خود لڑی۔ امریکہ نے حضرت علی کی خدمات حاصل کیں۔ جبکہ برطانیہ نے حاجی زمان کی مدد کی۔ دونوں جنوب مشرقی افغانستان میں پشتو مجاہدین کے رہنما تھے اور اس علاقے سے بخوبی واقف تھے۔ بن لادن اور اس کے جنگجوؤں کے پاس کچھ زیادہ اختیاری راستے نہیں تھے۔ وہ لڑنا چاہتے تھے لیکن عسکری توازن ان کے حق میں نہیں تھا۔ جونہی ان لوگوں نے اپنی جگہیں چھوڑیں جنگی جہازوں نے ان کا شکار کر لیا۔ امریکی اور برطانوی سپیشل فورسز بھی ان کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ہزاروں افغان جنگجو اور حضرت علی اور حاجی زمان کے حمایتی اس کے علاوہ تھے۔ جو امریکی حملوں سے بچ گئے انہیں تورا بورا کی برفانی چوٹیوں پر شدید موسم کا سامنا کرنا پڑا۔

LIFG کا رہنما ابوعبداللہ الصادق ان عربوں میں سے تھا جو تورا بورا کے راستے سے اس وقت پاکستان گئے جب اسامہ بن لادن وہاں تھا۔ بینوتمن کے مطابق الصادق کا اسامہ بن لادن کے ساتھ شانہ بشانہ لڑنے سے انکار کو بزدلی نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ وہ افغانستان کا سابقہ جنگجو تھا اور سوویت یونین کے خلاف جہاد کے آخری دنوں میں وہ زخمی بھی ہوا تھا لیکن اس نے اس وقت

اسامہ بن لادن کو لڑنے سے جواب دے دیا تھا۔ بینوتمن وضاحت سے بتاتا ہے کہ اس کے دھڑے کے رہنماؤں کے ساتھ جو ہوا تھا۔ ابوعبداللہ الصادق LIFG کے جنگجوؤں کے ساتھ تورابورا میں تھا۔ اس نے جنگ لڑنے سے انکار کیا اور اسامہ بن لادن کو بھی دستبردار ہونے کا کہا۔ اس نے میدان جنگ میں ڈٹے رہنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں اپنے ساتھ موجود لوگوں کی اموات کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ اس نے اپنے گروپ کو ساتھ لیا اور پاکستان کی جانب بڑھ گیا۔ وہ مزید کہتا ہے کہ جب الصادق تورابورا کی جانب بڑھتے ہوئے افغانی دیہاتوں سے گزرتا تھا تو مقامی لوگ عربوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ عرب بے وقوف ہیں کہ وہ وہاں ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں جی سکیں گے۔ ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ نہ صرف امریکی اور برطانوی ان تک پہنچ جائیں گے بلکہ شدید موسم میں وہ اس خطے میں اکیلے رہ جائیں گے اور اگر انہوں نے آتی ہوئی سردیوں کے لیے اچھی طرح تیاری نہ کی تو سردی میں ان کے جنگجو مارے جائیں گے۔

بینوتمن کہتا ہے کہ الصادق تورابورا میں ابوطاہر البحرینی اور ابوالشیخ اللبی سے ملا تھا۔ ان دونوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اسامہ بن لادن کے جانے کے بعد دونوں اس جنگ کی قیادت کریں گے۔ وہ مزید اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان لوگوں کے الفاظ سے یہ ظاہر تھا کہ ان کے پاس (امریکیوں سے نمٹنے کا) کوئی واضح منصوبہ نہیں تھا۔ ابن الشیخ اللبی پاکستان میں ہی ختم ہو گیا جہاں اسے ردکا گیا تھا۔ بن لادن پر بھی تورابورا سے بچ نکلنے پر زور دیا گیا کیونکہ اس نے اپنی شکست کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ حاجی زمان اور حضرت علی کو لڑتے ہوئے دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اور امریکی سپاہیوں "بزدلوں" کو دو بدو لڑتے ہوئے دیکھ کر بہت حیران ہوا۔

الزرقاوی کا عراق میں داخلے کا حق القاعدہ کے سپرد کرنا

2002ء کے ابتدائی دنوں میں افغانستان اپنی جدید تاریخ کے ابتدائی دور میں نئی مہم چلا رہا تھا۔ طالبان جو حکمرانی 1996ء میں قائم ہوئی تھی، ختم ہو گئی۔ اور دسمبر 2001ء میں تورابورا کی جنگ کی وجہ سے القاعدہ کا رہا سہا اثر ورسوخ بھی ختم ہوا۔ پشتون رہنما حامد کرزئی جو طالبان مخالف تھا، اس نے کابل میں حکومت بنائی لیکن اس کی انتظامیہ میں شمالی اتحاد کے گروہوں کا تسلط تھا، جن میں خاص طور پر تاجک، ازبک اور ہزارہ کے لوگ شامل تھے۔

اس دوران طالبان دوبارہ سے متحد ہونے کے لیے پیچھے ہٹ گئے تا کہ کابل کی نئی حکومت اور امریکی مددگاروں کے خلاف پھر سے لڑائی کا آغاز کر سکیں۔ افغانستان میں موجود عرب، نئی جنگ ارضی کی تلاش میں بھاگ گئے۔ ان کی زیادہ تعداد نے پاکستان کا رخ کیا۔ ان میں سے ہزاروں لوگ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ہاتھ چڑھ گئے اور انہیں امریکہ کے حوالے کر دیا گیا۔ ہزاروں دیگر لوگ جو افغانستان سے براہ راست بھاگے تھے اور امریکی حملوں سے بچ گئے اور پاکستانی ایجنسیوں کے شکنجے سے بچ نکلے انہوں نے ایران کا رخ کیا اور وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں ہزاروں لوگ ایرانی اتھارٹیز نے پکڑ کر بند کر دیئے، جہاں انہیں انقلابی محافظوں کے زیر نگرانی رکھا گیا، اور وہ اپنی تقدیر کا فیصلہ سننے کے لیے انتظار کرنے لگے۔

پہلے تو القاعدہ نے افغان پاکستان کے جنگ والے حصے میں مجاہدین کو روکنے کی کوشش کی۔ ذہن میں اس نیت کو رکھتے ہوئے کچھ تنظیموں نے علما سے مجاہدین کے میدان جنگ چھوڑنے کے نتائج کے حوالے سے فتویٰ حاصل کرنے کو مناسب سمجھا۔ بینوتمن کے مطابق، یہاں آراء میں بہت اختلاف سامنے آیا، کچھ لوگوں نے لندن رابطہ کیا اور وہاں سے مجاہدین پر اثر ڈالنے کے لیے فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ فتویٰ میں صرف اتنا کہنا تھا کہ افغانستان کو چھوڑنا ممنوع ہے کیونکہ اس سے مجاہدین کا حوصلہ پست ہوگا اور اپنے مقاصد کے حصول میں رکاوٹ بنے گا۔ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ ٹیلی فون پر اس مسئلے پر بہت گفتگو ہوئی۔ اور اگر فتویٰ جاری ہو بھی جاتا تو یہ اعلیٰ درجے اور بہت اہم مفتیوں کو متاثر کرتا۔ اور یہ کسی طرح بھی افغانستان سے آدمیوں کے اخراج کو نہ روک پاتا۔ خاص طور پر قندھار میں طالبان اور تورا بورا میں القاعدہ کی شکست کے بعد تو یہ بات ناممکن تھی۔ حقیقت میں بہت سے لوگوں، جنوں ن ے افغانستان کو چھوڑ دیا تھا، وہ اسامہ بن لادن کو افغانستان کی تباہی کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ جس کا سامنا انہوں نے نائن الیون کے حملوں کے بعد کیا۔ بہت سے عرب جہادیوں نے افغانستان میں رہ کر امریکہ کے خلاف دفاع کرنے اور القاعدہ کے دھوکے کے بعد افغانستان میں رہنے کو فرض نہ سمجھا۔

ابولیث اللبی ان میں سے ایک تھا۔ کابل پر حملے کو روکنے میں ناکام ہونے کے بعد LIFG کے اس رہنما نے افغانستان کی جنوبی ریاستوں، خاص طور پر خوست، پکتیا اور پکتیکا کا رخ کیا۔ وہ ان قافلوں میں شامل تھا جو عرب خاندانوں کو افغانستان سے لے کر جا رہے تھے لیکن

جونہی یہ قافلے خوست میں پہنچے، جنگی جہازوں نے بمباری کر دی، درجنوں لوگ مارے گئے۔ ان چھاپوں میں مرنے والے درجنوں دیگر لوگوں کے ساتھ ساتھ مصری جماعت الجہاد کے اہم رہنما، (جس میں سپیشل آپریشنز کا سربراہ طارق انور، شوریٰ کونسل کا ممبر محمد صلاح اور ڈاکٹر ایمن الظواہری کی بیوی عزا نویرا اور کئی دیگر جہادیوں کے خاندان کے افراد بھی تھے) بھی مارے گئے۔ اس انتشار کے عالم میں جو پیچھے ہٹ گئے وہ پریشان تھے کہ کسے رہنما بنائیں۔ کچھ لوگوں نے ابواللیث کو اس کام کے لیے مناسب جانا لیکن القاعدہ کا اصرار تھا کہ عبدالہادی العراقی کو سربراہ بنایا جائے، جو تنظیم کے رہنماؤں میں سے اہم رہنما تھا، جو 1980ء کے دنوں ہونے والے جہاد سے تنظیم میں شامل تھا۔ ان افتراقات کے باوجود خوست حملے میں بچ جانے والے لوگوں نے اپنا سفر جاری رکھا اور پاکستانی سرحد میں پہنچ گئے اور وہاں سے شمالی وزیرستان کے مرکزی شہر میران شاہ کی طرف سفر شروع کر دیا۔

ابواللیث پاکستان میں نہیں رکنا چاہتا تھا۔ اس کے سابقہ دوست بینوتمن کے مطابق اس نے اپنے گروپ سے افغانستان واپس جا کر لڑنے کی اجازت چاہی۔ اسے اجازت دے دی گئی۔ بینوتمن پہلی بار انکشاف کرتا ہے کہ ابواللیث جب پاکستان میں تھا تو اس سے رابطے میں تھا۔ اور ابواللیث نے ذاتی طور پر کابل کی جنگ اور خوست میں حملے کی تفصیل بتائی تھی۔ اور اپنے فیصلے کے بارے میں اسے آگاہ کیا تھا کہ وہ افغانستان جا کر لڑنا چاہتا ہے۔ ابواللیث افغان جہاد کے دنوں سے کئی مجاہدین رہنماؤں کو جانتا تھا، خاص طور پر گردیز میں (جنوب مشرقی افغانستان) جہاں LIFG، کمیونسٹ فورسز سے بہت خوفناک جنگ لڑ چکی تھی۔ اس وقت ابواللیث نے اس علاقے کے مجاہدین سے قریبی تعلقات قائم کر لئے تھے۔ اور یوں اس نے جہاد میں شامل ہونے کے لیے دوبارہ ان جانے پہچانے پہاڑوں کی طرف لوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس بار جہاد امریکیوں کے خلاف تھا۔

بہت سے دیگر جہادی جو افغانستان میں پیچھے ہٹ چکے تھے وہ وہاں لڑنے کے لیے واپس لوٹنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ کچھ تو واپس جانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ کچھ پاکستان پہنچتے ہی گرفتار کر لئے گئے۔ جس طرح ابن الشیخ اللبی کا بیٹا (خالد بن تربیتی کیمپ کا ڈائریکٹر، جس کا اصلی نام علی محمد عبدالعزیز الفاخری) پاکستانی سکیورٹی ایجنسیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اس کے ساتھ

دیگر درجنوں لوگ بھی گرفتار ہوئے جو تورا بورا سے واپس لوٹ رہے تھے۔ ابن الشیخ کے بیٹے کو شناخت ہونے کے بعد امریکہ کے حوالے کردیا گیا۔ (بعد میں اسے لیبیا کے حوالے کیا گیا جہاں لیبیا کے حکام کے دعوے کے مطابق اس نے 2009ء میں جیل میں خودکشی کرلی تھی)۔ ابویحیٰ اللبی (حسن خالد) کراچی میں گرفتار ہوا اور اسے بھی امریکہ کے حوالے کردیا گیا۔ ابویحیٰ اللبی LIFG کا رہنما تھا۔ اسے بگرام لے جایا گیا۔ (اسے بگرام امریکی نہیں لے کر گئے تھے جہاں سے وہ 2005ء میں بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ افغانستان نہیں لوٹ سکتا تھا اور اب وہ القاعدہ کا اہم ترین اور نمایاں نظریہ ساز بن چکا ہے) لیبیا کے لڑاکا گروہ کا رہنما، ابوعبداللہ الصادق تورا بورا سے نکل کر پاکستان گیا جہاں وہ ابومنظر السعدی فائٹنگ گروپ کے انچارج کے ساتھ ایران چلا گیا۔ وہاں سے اس نے چین اور پھر تھائی لینڈ کا رخ کیا۔

ابومصعب الزرقاوی بھی افغانستان میں پسپا ہونے والے عربوں میں شامل تھا۔ وہ بھی امریکی حملے کے بعد جہاد میں شامل ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔ اسے قائل کرنے کی کوشش کی گئی کہ افغانستان میں جنگ کرنا فرض ہے۔ وہ ملک میں رہ سکتا تھا جس طرح القاعدہ نے کیا۔ اپنی عسکری ناکامی کے بعد القاعدہ نے دوبارہ اپنے مراکز پاکستان کے قبائلی علاقے اور افغانستان کے جنوب مشرقی صوبوں میں قائم کرلئے تھے۔ لیکن الزرقاوی اور قسم کے جہاد کی امید کررہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ افغانستان گیا تھا۔ اس نے وہاں اپنا ایک الگ گروپ 90ء کی دہائی کے آخر میں بنالیا تھا۔ اس کا مشہور کیمپ ہرات میں اور مرکز لغار میں تھا۔ اس کا ارادہ اردن کی حکومت کے خلاف جہاد کرنے کا تھا۔ الزرقاوی کا مقصد افغانستان جاکر طالبان کی حکومت کے دوران میں تحریک کا دفاع کرنا یا ملک کے بقیہ حصے میں اس کا اثر ورسوخ بڑھانے کا نہیں تھا۔ جب شمالی اتحاد کی مخالفت بھی موجود تھی۔ یہ اس کا مقصد تھا ہی نہیں۔ اس نے طالبان کے زوال کے بعد نئی تحلوط جگہ کی تلاش میں افغانستان چھوڑ دیا۔ وہ ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں وہ آسانی سے اردن کی حکومت کے خلاف کارروائیاں کرسکتا تھا۔ چونکہ اس کے فلسطین اور اردن کے ساتھیوں سے قریبی تعلقات اور روابط تھے اور یہ لوگ عراق کردستان میں انصار الاسلام کے نام سے ایک تربیتی مرکز قائم کرچکے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ اس کا شامل ہونا بالکل فطری بات تھی۔ وہ برضا ورغبت عراق چلا گیا۔ وہاں اس کا ارادہ اپنے مقامی اردن کی حکومت کے کام کرنے کا تھا۔ اور اسے یہ

توقع ہرگز نہیں تھی کہ امریکی دو دریاؤں کی سرزمین پر (7) بھی 2003ء میں صدام کی حکومت گرانے کے لیے حملے کریں گے۔

افغانستان میں عرب جہادیوں کے ساتھ وسیع روابط ہونے کے سبب بینوتمن کے الزرقاوی گروپ کے ارکان سے بھی روابط تھے۔ بینوتمن نے بتایا کہ الزرقاوی گروپ کے طالبان پالیسیوں کے جائز ہونے سے متعلق تحفظات رکھتا تھا۔ وہ انہیں کئی حوالوں سے آرام پسند سمجھتا تھا۔ مثال کے طور پر وفاداری اور بے وفائی (8) جیسے نظریاتی مسائل اور سوالات پر اس کے خاصے تحفظات تھے۔ بینوتمن بات جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ ابومصعب نے طالبان کی وفاداری اور بے وفائی کے فہم پر سوالات اٹھائے۔ جن کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ یہ واضح ہونا چاہیے۔ وہ اسی آدمیوں کے گروپ کے ساتھ لوگار صوبہ میں رہا۔ میں نے ان کے کوارٹرز میں ان کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ یہ کوارٹرز بھی گلبدین حکمت یار کا گھر تھے۔ گروپ کے 99 فیصد لوگ اردن یا فلسطین کے رہنے والے تھے۔ الزرقاوی نے وہاں ایک گروپ قائم رکھا اور اس کی قیادت بھی سنبھالے رکھی۔ طالبان کے زوال کے بعد وہ ایران چلا گیا۔ ایران سے عراق اور بغداد کے مضافات میں اپنی رہائش قائم کرلی۔ اس کی منزل حتمی طور پر اردن تھا۔ عراق پہنچ کر اسے خیال تک بھی نہیں تھا کہ امریکہ وہاں حملہ کرے گا۔ وہ سب سے پہلے کردستان گیا جہاں اسے محفوظ جگہ کی تلاش تھی تاکہ وہ اردن کی حکومت کے خلاف جہاد کی تیاری کر سکے۔ یہ کوئی تجزیہ نہیں بلکہ براہ راست معلومات ہیں۔ میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جو اس کے ساتھ عراق گئے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ لیبیا کے تھے۔ میں نے یہ معلومات دیر تک ظاہر نہیں کی تھیں، آج اس حوالے سے کوئی تحفظ کا مسئلہ نہیں ہے۔

بینوتمن کہتا ہے کہ القاعدہ اس وقت اپنی ایک شاخ کامیابی سے قائم کر چکی تھی، جب اس تنظیم نے الزرقاوی کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ مزید کہتا ہے کہ اس نے کئی دیگر لوگوں کے ساتھ القاعدہ میں شمولیت اختیار کی۔ لیکن خاص قسم کے مسائل میں اس نے جو اضافہ کیا اس کے منفی اثرات مرتب ہوئے۔ الزرقاوی نے القاعدہ کی پکاروں کا جواب دیا، اس نے القاعدہ کو تربیت یافتہ لوگوں کا گروپ مہیا کیا۔ اس نے امریکی قابضین کے خلاف روز کی بنیاد پر حملوں کو یقینی بنایا۔ اس نے جماعت التوحید والجہاد قائم کی۔ جب اس نے ہرات میں تربیتی مرکز بنایا ہوا تھا، اس تنظیم

کو اس نے القاعدہ میں 2004ء میں شمولیت اختیار کی۔ اس کے بدلے القاعدہ میں شمولیت کا مطلب تھا کہ وہ القاعدہ کے جھنڈے تلے لڑ رہا ہے۔ توحید اور جہاد گروپ کے لیے یہ بات باعث اطمینان تھی کہ وہ فلوجہ شہر کے اندر ہی دیگر تنظیموں سے جنگ کر رہے تھے۔ جس پر امریکیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان گروپوں کے درمیان اصل تنازعہ یہ تھا کہ کس نے کس کو قتل کیا اور کس گلی میں یا کس کے پڑوس میں لڑنا چاہیے۔ جب الزرقاوی نے القاعدہ میں شمولیت اختیار کی تو وہ اس سارے چکر سے بچ نکلنے کے قابل تھا۔ وہ مقامی حریف گروپس میں زیادہ دیر نہ الجھا، وہ اب عالمی جنگ میں شامل تھا۔ القاعدہ میں شمولیت کا مطلب تھا کہ اسے اب مقامی گروپس پر برتری حاصل تھی۔

جہادیوں کی ترسیلی زنجیر

الزرقاوی کی القاعدہ میں شمولیت سے پہلے، اس کی تنظیم کی شاخیں کامیابی سے مشرق میں ایک سے زیادہ ملکوں میں بشمول شام کے پھیل چکی تھیں۔ شام جہادیوں کے داخلے کا مرکزی مقام بن چکا تھا۔ 2003ء کے آخر تک الزرقاوی کی تنظیم اس گزرگاہ کو حاصل کر چکی تھی جس کے ذریعے رضاکاروں کے قافلے شام آتے اور امریکیوں کے خلاف جہاد میں شامل ہوتے۔ بینو تمن وضاحت سے بتاتا ہے کہ شام عراق کی سرحد پر پانچ مقامات ایسے تھے جسے رضاکار گزرگاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ان کی روانگی کا کوئی بھی مقام ہو سکتا تھا۔ ان تمام گزرگاہوں پر الزرقاوی کا قبضہ تھا۔ القاعدہ میں شمولیت کے بعد القاعدہ کو یہ گزرگاہیں بھی مل گئیں۔

اس کے باوجود القاعدہ، الزرقاوی کو قابو کرنے کے قابل کبھی نہ ہو سکی۔ موجودہ تاریخ، القاعدہ کی ان مشکلات کو ظاہر کرتی ہے جن کا سامنا اس کی قیادت کو وزیرستان میں الزرقاوی سے پالیسیوں کی ترمیم کرانے اور تنظیم ہدایات کا مطیع کرنے کی کوششوں کے سبب کرنا پڑا۔ القاعدہ کی قیاست نے اسے کئی مواقع پر خط لکھے جن میں اسے اپنے طریقوں کو بہتر کرنے کو کہا گیا، جس میں انسان ذبح کرنے کو فلمانا اور بلا امتیاز قتل کرنے کے احکامات شامل تھے۔ (جس میں عام شہری اور قابض قوتوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں تھی)۔ الزرقاوی نے ان درخواستوں کو ذرا تسلیم نہ کیا جس میں اسے شیعوں پر حملہ کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ ان حملوں سے عراق میں سول وار کی چنگاری بھڑک اٹھی جس سے ایرانی غصے میں آ گئے۔ انہوں نے 2001ء میں القاعدہ

کے بہت سے ارکان گرفتار کر لیے، جب وہ افغانستان سے بچ کر آ رہے تھے۔ وو دریاؤں کی سرزمین پر القاعدہ کی شاخ کے اس رہنما کے خلاف شکایات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ الزرقاوی نے سنی گروہوں کے خلاف جنگ شروع کر دی جو 2003ء کے حملوں کی ابتدا میں مزاحمت کا حصہ رہے تھے۔ جو اس کے اختیار کو نہیں مان رہے تھے اس میں عراق کی اسلامک آرمی بھی تھی۔

القاعدہ رہنماؤں نے (بشمول ڈاکٹر ایمن الظواہری، ابو یحیٰ اللبی اور عطیہ عبدالرحمٰن اللبی) نے الزرقاوی کو خطوط لکھے اور دوبارہ غور کرنے کی دعوت دی۔ جب معاملہ ناقابل برداشت ہو گیا تو القاعدہ قیادت نے اپنا بہتر فیلڈ کمانڈر عبدالہادی العراقی (عراقی شہری) کو ایک کوشش کے طور پر بھیجا تا کہ جھگڑے زیادہ بڑھنے سے پہلے معاملہ سلجھ جائے۔ لیکن عبدالہادی عراق پہنچنے سے پہلے امریکیوں کے بچھائے جال میں پھنس گیا۔

بینوتمن دعویٰ کرتا ہے کہ القاعدہ کی قیادت کو الزرقاوی کی کارروائیوں سے متعلق شکایات کا انبار موصول ہوا۔ ان شکایات کا ذریعہ عراق میں اسلامک آرمی تھی۔ اس میں الزرقاوی کے ان اعمال کی تفصیل تھی جو وہ گلف میں القاعدہ کے ہمدردوں کے ساتھ کر رہا تھا۔ بینوتمن وضاحت کرتا ہے کہ اسلامک آرمی ان عراق نے الزرقاوی کی ان کارروائیوں پر اعتراض کیا تھا جو ہو گلف ممالک سعودی عرب اور کویت کے علما اور اسلامک سٹڈیز کے طلبا کے ساتھ کر رہا تھا۔ کویت میں جہادیوں نے عراق میں جہاد کی بہت حمایت کی۔ اور کئی کویتی نوجوانوں نے وہاں بمباری کی۔ کئی کارروائیاں کیں۔ مزید معاملہ بگاڑنے کے لیے ابو مصعب الزرقاوی نے اردن تک جہاد پھیلانے پر زور دیتا رہا اور عمان (Amman) میں ہوٹلوں پر بموں سے حملے کرنے کا حکم دیا کیونکہ ان ہوٹلوں میں 2005ء میں امریکہ کے اتحادی افسر رہتے تھے۔ ان بمباریوں کے نتیجے میں درجنوں عام مسلمان شہری بھی ہلاک ہوئے اور پوری عرب دنیا میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیل گئی۔

ہوٹل پر بمباری کے چند ماہ بعد جون 2006ء میں امریکیوں نے الزرقاوی کو باقوبہ (Baquba) میں قتل کر دیا۔ اس اطلاع کے لیے ہم اردن کی انٹیلی جنس کے شکر گزار ہیں۔

3

عراق میں جہاد کی تباہی

کئی حمایتیوں کی آنکھوں کے سامنے الزرقاوی نے عراق میں امریکہ کے خلاف جہاد کی شرعی حیثیت کو ختم کر دیا۔ تاہم ان میں سے کچھ مجاہدین (خاص طور پر جوانوں میں) ایسی کارروائیوں میں ملوث تھے جو امریکیوں کے خلاف نہیں ہوتی تھیں۔ ان کے بجائے ان کا نشانہ عراقی لوگ خاص طور پر شیعہ اور اسلامک آرمی کے لوگ تھے۔ بینوتمن دعویٰ کرتا ہے کہ ان مجاہدین میں سے کچھ مجاہد عراق سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے جب انہوں نے بلا امتیاز قتال کو اپنے اسلامی آئین کی رو سے بلا جواز پایا۔ بینوتمن کے مطابق وہ لوگ جو اس بات کے گواہ ہیں کہ عراق میں کیا ہوا اور وہ لیبیا لوٹ آئے تھے، وہ زندہ اور ٹھیک ٹھاک ہیں۔ کچھ لوگ عراق سے بھاگ کر شام چلے گئے جہاں انہوں نے خود کو شامی حکام کے حوالے کر دیا یا لیبیا کے سفارت خانے سے رابطہ کیا اور واپس اپنے وطن بھجوانے کی درخواست کی۔ لیبیا کی حکومت ان کو اب تک رہا کر چکی ہے۔ یہ لوگ جہاد ترک کرنے سے پہلے عراق میں تین سے چار سال گزار چکے ہیں۔ یہ ان بغاوتوں کی کہانیاں سناتے ہیں جو مختلف کارروائیوں کے دوران میں ہوئیں۔ اسلامک آرمی کے خلاف القاعدہ کے جنگ شروع کرنے کے بعد کچھ لوگوں نے اپنے گھر میں لڑائی کی مخالفت کی۔ بہت خونی جنگ تھی۔ القاعدہ نے ان مجاہدین کو ان کارروائیوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور ان میں شامل کنندگان کو یہ بھی علم نہیں ہوتا تھا کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ وہ اس بات کا

اثبات مخفی اور راز کہہ کر کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ القاعدہ کو مجاہدین پر اعتماد نہیں تھا کہ اگر انہیں ہدف کے بارے میں معلوم ہو گیا تو وہ اس کارروائی میں حصہ لیں گے کہ نہیں۔ کچھ لیبیائی باشندوں نے اپنے آپ کو ایسے حالات میں محسوس بھی کیا۔ ان میں سے ایک آدمی بہت خوف کا شکار ہوا جب اسے معلوم ہوا کہ وہ اسلامک آرمی کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے خلاف لڑ رہے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، حمد و ثنا کرتے ہیں اور جو امریکہ کے خلاف بھی لڑ رہے تھے۔ جب اس نے اس بات پر تنقید کی تو اسے غدار اور ایجنٹ کہا گیا۔

عراق میں القاعدہ اندرونی قتل و غارت اور لڑائی کی دلدل میں دھنستی گئی جبکہ دیگر مزاحمتی عناصر اور امریکہ نے اس بات کا کوئی فائدہ اٹھایا کہ القاعدہ کو اس کے مضبوط ٹھکانوں سے اور سیلوں سے باہر نکال پھینکا جائے۔ یہ بات القاعدہ کے مفاد کا زوال بنتی گئی کہ جو مادر تنظیم کے ساتھ عراق میں ہو رہا تھا۔ تنظیم کے نظریہ ساز اب بہت کم اس پر بات کرنے لگے جو کچھ عراق میں ہو رہا تھا۔ اور اگر بات کرتے بھی تھے تو اس وقت کسی رہنما کا موت کا ماتم کرتے تھے یا اسلامک سٹیٹ آف عراق کے کاموں پر خراج تحسین پیش کرتے تھے۔ جس نے 2006ء میں وہاں قبضہ کر لیا۔

القاعدہ قیادت اپنی عراق میں قائم برانچ کے سٹیٹس پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئی کیونکہ اس نے پہلے یہ کام نہیں کیا ہے۔ اسلامک آرمی اور اس کی قیادت (جو عراق سے باہر کی ہے) جو بن لادن کے خلاف ہے، کے درمیان تنازعہ اور اسلامک آرمی کے القاعدہ کے حمایتی عناصر جو عراق میں، اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ القاعدہ قیادت اپنے نتائج میں بہت غلط تھی، خاص طور پر ملک کی جو موجودہ صورت حال ہے۔ القاعدہ کی عراقی برانچ ذہنی طور پر مفلوج ہو رہی ہے اور بہت جلد تباہ ہو جائے گی، جس تیزی سے اس کے ذیلی گروپ ختم ہو رہے ہیں۔

4

القاعدہ مصر کی سرزمین پر
ایک منصوبہ جو شروع ہونے سے پہلے ناکام ہوا

2003ء میں امریکی حملے اور ابو مصعب الزرقاوی کا بطور مزاحمتی رہنما ابھرنا اسامہ بن لادن اور اس کی تنظیم کے دیگر رہنماؤں کے لیے نکاسی کا سبب بنے۔ یہ لوگ پاکستان اور افغانستان کے قبائلی علاقوں میں پھنس چکے تھے۔ طالبان حکومت کے خاتمے اور 2001ء میں تورا بورا سے بھاگنے کے بعد بھی ان کا سامنا ایک جاری جنگ سے تھا۔ انہوں نے امریکی توجہ عراق پر مبذول ہونے کا فائدہ اٹھایا اور خود کو دلدل میں دھنسا محسوس کر کے انہوں نے القاعدہ کو دوبارہ پرکشش کرنے اور ہمدردیوں کو حاصل کرنے کے لیے دیگر دنیا کے حصوں میں کام کیا (جس طرح انہوں نے الزرقاوی کی جماعت التوحید والجہاد ان علاقوں کے ساتھ کیا) القاعدہ نے مغرب سے مشرق(9) تک اپنی شاخیں قائم کیں جس میں خلیج عرب، مصر اور افریقہ کے ممالک شامل ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب

2001ء کی دہائی کے آخر میں اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ بدمعاشوں اور چوروں کی زمین پر نہیں رہ سکتا۔ اور اسے افغانستان کے لیے کوچ کرنا چاہیے، جہاں طالبان حکومت اسلامی قوانین عملی طور پر نافذ کر رہی تھی۔ لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ اسے کسی نے وہاں تعینات کیا تھا۔ کسی نے

اسے قائل کرلیا تھا کہ وہ رفاعی طہ کے قریب ہو۔ وہ کسی بھی طرح امن اقدام سے سکون محسوس نہیں کرر ہا تھا۔ اور اس معاملے میں وہ رفاعی طہ سے متفق تھا۔ حکیمہ 2006ء تک پس منظر میں رہا اور اس کے بعد وہ پرانے ساتھیوں کے ساتھ جاملا۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر حانی الصبائی تھا جو مصری جہاد کا رہنما تھا اور برطانیہ میں مقیم تھا۔ اور دنیا کے کئی ممالک میں، خاص طور پر عراق اور افغانستان میں جہاد کا بہت جانا پہچانا وکیل تھا۔

حکیمہ کا بلاشک اس عرصے میں کئی دیگر لوگوں سے بھی رابطہ ہوا۔ وہ مصری اسلام پسندوں کے ساتھ از سرنو ذرائع ابلاغ کے کئی در کھولنا چاہتا تھا، ان کی رسائی براہ راست کئی اطلاعات تک تھی۔ جن سے حکیمہ نے رابطہ کیا ان میں سے کئی لوگ اس کی نیت اور کام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے، جس کے لیے وہ پر اعتماد تھا۔ لیکن یہ بات بہت جلد واضح ہوگئی۔ مئی 2006ء میں ڈاکٹر ایمن الظواہری نے ایک ویڈیو ٹیپ کے ذریعے اعلان کر دیا کہ مصری جماعت الاسلامیہ کے ایک گروہ نے القاعدہ میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ الظواہری اس بات کی وضاحت کرنے میں بہت محتاط تھا کہ جماعت کے جس دھڑے نے شمولیت اختیار کی ہے مصر میں اس کی قیادت ''امن اقدام'' کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اور اس کے لیے شرعی اور آئینی بنیادیں فراہم کر چکی ہے۔ جس میں انہوں نے القاعدہ کے اعمال اور نظریات کی بری طرح مذمت کی تھی۔ الظواہری نے ویڈیو میں کہا تھا کہ ہم اسلامی امت میں اس بات کا اعلان کرتے ہوئے خوش ہیں کہ جماعت الاسلامی کا ایک بڑا دھڑا القاعدہ سے مل گیا ہے۔ حکیمہ کو بھی دکھایا گیا جو کھجور کے درخت کے نیچے شمولیت کا اعلان کرر ہا تھا۔ اور ایسا تاثر دے رہا تھا کہ جیسے وہ افغانستان یا پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ہے۔ حقیقت میں وہ وزیرستان میں تھا جہاں سے وہ دنیا کے دیگر حصوں میں رابطے کر سکتا تھا۔ جہاں وہ القاعدہ کے بنیادی علاقے میں تھا جس میں وہ شمولیت کر چکا تھا۔

بینوتمن انکشاف کرتا ہے کہ القاعدہ میں شمولیت اختیار کرنے پر اسے سکیورٹی کمیٹی کا سربراہ بنادیا گیا لیکن اس کی دلچسپی مصر میں جہاد پر نظرثانی میں تھی اور مسلح کارروائیوں میں نہیں تھی (جس طرح 2004ء اور 2006ء میں مصر نے شرم الشیخ، طابا اور دہب میں سیاحوں کے علاقوں میں تین حملے ہوئے تھے یہ القاعدہ نے نہیں کیے تھے بلکہ عبداللہ اعظم بریگیڈ نے کیے تھے جس کی اس نے ذمہ داری قبول کی تھی) بینوتمن کے مطابق، جب حکیمہ نے القاعدہ میں شمولیت اختیار کی جو

پہلا کام اس نے کیا وہ کسی کو القاعدہ کی سکیورٹی کمیٹی کا سربراہ مقرر کرنا تھا۔

القاعدہ، اس کمیٹی کا اصل سربراہ ابومحمد الذایت کھو چکی تھی، جو مصری جماعت الاسلامیہ کا سربراہ تھا اور جو نائن الیون کے حملوں کے دوران مارا گیا تھا۔ الذایت نے سختی سے ان حملوں کی مخالفت کی تھی، جس کی اجازت ملا عمر نے نہیں دی تھی۔ یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں کہ اس کے سبب الذایت اور اسامہ بن لادن کے درمیان دراڑ پڑ چکی تھی۔ اور یہ دونوں (ڈاکٹر الظواہری) کے ساتھ جہادیوں کی پہلی نسل سے تعلق رکھتے تھے، جو 90ء کی دہائی کے وسط میں سوڈان میں فعال تھے۔

الذایت دیگر سینکڑوں لوگوں کے ساتھ نائن الیون حملوں سے پہلے افغانستان سے ایران کی طرف کوچ کر گیا۔ وہاں اس نے القاعدہ کے دیگر رہنماؤں کے ساتھ خود کو مجبور پایا۔ ان میں سے کچھ کو قید کر لیا گیا اور کچھ لوگوں کو انقلابی گارڈز کی نگرانی میں سرکاری رہائشوں میں رکھا گیا۔

القاعدہ سکیورٹی کمیٹی کا حصہ ہونے کی وجہ سے حکیمہ نے مصر میں جہاد کی از سرنو بحالی کی ذمہ داری لی۔ اس نے مصر کی زمین پر القاعدہ کے نام سے نئی تنظیم کا مرکز قائم کیا۔ اور آن لائن ویب سائٹ پر فعال ہو گیا جہاں وہ اپنے مقصد کے لیے جہادیوں کو اپنی جانب کھینچنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اس کا یہ اقدام تیزی سے کامیابی حاصل نہیں کر پایا تھا جس کی وہ غالباً امید کر رہا تھا۔ 2006ء اور 2007ء تک مصر میں جہادی میدان 90ء کی دہائی سے بدل چکا تھا۔ جب جماعت الاسلامیہ اور جماعت الجہاد (10) مصر کی زمین پر مسلسل حملے کرنے کے قابل تھیں۔

سب سے پہلے حکیمہ نے اپنے مصری جہادی ساتھیوں کے ساتھ تجدید خیالات کی کوشش کی۔ کیونکہ وہ اپنے سابقہ گروپ (جماعت الاسلامیہ) کے ارکان پر اثر ڈالنے میں بہت تیز تھا، تا کہ وہ اپنے سابقہ راستے پر قائم رہے، وہ راستہ جسے مصری حکومت نے چھوڑ دیا تھا۔

بینو تھمن کے مطابق حکیمہ نے ''مصر کی زمین پر القاعدہ'' (Al-Qaeda in the land of Eygpt) سے امید کی تھی کہ وہ مصر میں جہاد کو بحال کرے گی۔ اس نے رابطوں کی ابتدا کی۔ ان میں سے کچھ کے ساتھ آن لائن رابطہ ہوا۔ اس نے جماعت الاسلامیہ کے ارکان کے ساتھ خاص طور پر گفتگو اور تبادلہ خیال کرنے کی کوشش کی۔ یہ وہ ارکان تھے جو ''امن اقدام'' کی وجہ سے جیل سے رہا ہوئے تھے۔ یا ان سابقہ فعال ارکان سے رابطہ کیا جو گمنام تھے یا جن کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اس نے انہیں ''القاعدہ مصر کی زمین پر'' کے شروع کرنے کے لیے جمع کرنے کی

کوشش کی۔لیکن وہ انہیں سابقہ تنظیمی طریقے پر نہیں چلانا چاہتا تھا۔وہ سب سے پہلے تنظیم کی از سر نو تعمیر کر کے عملی درجے پر کام کرنا چاہتا تھا۔اس لیے اس کی لازمی طور پر اپنے ابتدائی راستے پر لوٹنے کی ضرورت اور اپنے اصلی عہد کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی۔وہ اپنے آپ کو منظم کرنے کی ضرورت اور کسی بھی قسم کی مسلح کارروائی کی منصوبہ بندی سے پہلے وہ کسی قسم کے جدا جدا درجے قائم کرنے کی ضرورت پر توجہ دیتا تھا۔کام کرنے کا یہ منصوبہ نظریہ سازی کی ذہانت تھی۔اگرچہ یہ منصوبہ ناکام ہوگیا تھا کیونکہ جو اس کے سربراہ تھے وہ مصر سے بہت دور تھے اور ان کے پاس تازہ ترین اطلاعات کی کمی تھی۔مزید یہ کہ مصر میں جہادی حالات بدل چکے تھے۔اس وقت سے جب جماعت الاسلامیہ جنگ وجدل ترک کر چکی تھی۔

''القاعدہ مصر کی زمین پر'' جیسے منصوبے کو اگست 2008ء میں سخت دھچکا لگا جب حکیمہ پاکستان کے قبائلی علاقے میں امریکی ڈرون حملے میں مارا گیا۔القاعدہ نے 2010ء تک اس کی موت کا اعلان کرنے کا انتظار کیا۔اور کسی نئے رہنما کی تعیناتی کا اعلان بھی نہ کیا۔اور نہ ہی اس افسر کے نام کا اعلان کیا جو سکیورٹی کمیٹی کی ذمہ داری سنبھالتا۔یہ بات ابھی تک واضح نہیں ہو سکی کہ واقعی عہدوں پر تعیناتی ہوئی تھی کہ نہیں تھی۔

دی لیونٹ (The Levant)

جونہی القاعدہ کو مصر میں ناکامی ہوئی، اسے شام و لبنان (11) میں بھی ناکامی برداشت کرنا پڑی کیونکہ شامی اور لبنانی حکومتیں القاعدہ کے تمام قسم کے دھڑے ختم کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔غالباً ان دو تجربات میں فرق یہ تھا کہ القاعدہ کو مصر میں تنظیم کی بنیاد سازی کرنا پڑی تھی لیکن اس سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا گیا جو ملک کو چلاتے تھے کیونکہ 90ء کی دہائی میں جماعت الاسلامیہ اور جماعت الجہاد ایسے معاملات میں ملوث رہ چکی تھی اور حکومت کو ان کا تجربہ حاصل تھا۔جبکہ لبنان اور شام کی حکومتیں مصر کی نسبت کمزور تھیں اور اس قسم کے دھڑوں کا انہیں کم تجربہ تھا۔مصر کو وہ تنظیم ملی جو وہاں سے فعال رہ چکی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عراق میں ہونے والے واقعات عرب مشرق میں کئی لوگوں کے لیے بہانہ تھے جس کی وجہ سے انہوں نے جہادیوں کی طرف آنکھیں بند کر لیں جو عراق میں

امریکیوں کے خلاف لڑنا چاہتے تھے۔ وہ اکثر شامی علاقوں سے گزرتے تھے۔ دمشق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اس معاملے سے صرف نظر کیا۔ خاص طور پر جب جارج بش کی انتظامیہ کے ارکان نے صدر بشار الاسد کے خلاف کام مکمل کرنے کی ضرورت پر زور دیا تب صدام حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ لبنان میں کئی ایسے علاقے تھے جو لبنانی حکومت کے زیر اثر نہیں تھے۔ خاص طور پر فلسطینی پناہ گزین کیمپ شمال اور جنوب میں دارالحکومت بیروت کے مضافات میں پھیل گئے۔ ان کیمپوں کی وجہ سے ان کو سنہری موقع فراہم ہوا جو لبنانی سکیورٹی سروسز کی آنکھوں سے بچ کر کام کرنا چاہتے تھے۔

ابو مصعب الزرقاوی پہلا شخص تھا جس نے شام اور لبنانی میدانوں کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے امکان کو محسوس کر لیا۔ اور یہ کام اس نے 2003ء میں عراقی حملے سے پہلے کیا۔ الزرقاوی اپنی مرضی کے منصوبے کے مطابق کام کر رہا تھا۔ اسامہ بن لادن کی ان کوششوں سے پہلے جب وہ الزرقاوی کو القاعدہ میں شامل کرنے کے لیے کر رہا تھا، جو ناکام ثابت ہوئیں۔ بینوتمن کے مطابق دونوں آدمیوں کے درمیان فرق تکفیر پر توجہ دینے کا تھا۔ الزرقاوی نے اسامہ بن لادن سے درخواست کی کہ وہ ایک خاص عرب حکومت پر تکفیر کا فتویٰ لگائے۔ اس درخواست کو اسامہ بن لادن نے ماننے سے انکار کر دیا۔ اس بنیاد پر الزرقاوی نے اپنا ذاتی جہادی منصوبہ نافذ کرنے کا فیصلہ کیا

حسن نابا (جس کا پیار کا نام ابو مسلم تھا) الزرقاوی کے تربیتی مراکز ہرات اور خالد بن ولید سے تربیت حاصل کر چکا تھا۔ وہ اسلام پسند گروپ (Islamic Militant Group) اور لبنانی فوج (12) کے درمیان دانیہ ڈسٹرکٹ میں جھڑپوں کے بعد 2000ء میں افغانستان چلا آیا جہاں اس نے الزرقاوی کے توحید والجہاد گروپ سے وفاداری کی قسم کھائی۔ اس کے بعد ابو مسلم لبنان چلا آیا اور اس وقت تک خاموش رہا اور کسی کی نظروں میں نہ آیا جب امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ شروع کی اور طالبان کی حکومت گرا دی۔ اس وقت الزرقاوی ہرات سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور ایران میں داخل ہوا جہاں اس نے عراق جانے کی تیاری شروع کر دی۔ اردن کے اسلام پسندوں نے سعودی شخص کو ایران سے لبنان بھیجا جو القسیم (Al-Qassim) صوبے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس سعودی کی تربیت الزرقاوی کے کیمپ سے ہوئی تھی جو ہرات میں قائم تھا اور اس

نے الزرقاوی سے وفاداری کا عہد کیا تھا۔ وہ لبنان میں فلسطینی جہادیوں سے مذاکرات کرنے آیا جو عین الحلوہ (Ainal-Helwa) کے پناہ گزین کیمپ میں فعال تھے جو جنوبی لبنان میں قائم تھا۔ اس نے ان جہادیوں کو توحید والجہاد گروپ میں شمولیت کے لیے قائل کرنا تھا۔ وہ اس کوشش میں ناکام رہا کیونکہ فلسطینیوں نے آزادانہ طور پر اپنا کام جاری رکھا۔

جب امریکہ کے عراق پر حملے کے ارادے بالکل واضح ہو گئے اس وقت کئی واقعات تیزی سے رونما ہونے لگے۔ مختلف دھڑوں کے جہادی رضا کار تیزی سے میسوپوٹامیہ (Mesopotamia) آنے لگے۔ الزرقاوی کا توحید والجہاد گروپ بھی ان میں شامل تھا جو امریکہ کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گیا۔ اس بات سے لبنانی ابومسلم کو بھی عراق میں اپنے رہنما الزرقاوی سے جا ملنے کا موقع مل گیا۔ جہاں وہ اپنی طرف سے بہت شدید جنگی جھڑپوں میں شامل ہوا، خاص طور پر پہلی لڑائی جو (اپریل 2004ء میں) فلوجہ میں ہوئی۔

لبنانی ابومسلم کا کردار، اس جنگ میں تیزی سے ابھر کر سامنے آیا اور مشہور ہو گیا۔ اس کے فوری بعد الزرقاوی نے اسے شام جا کر توحید والجہاد گروپ کی قیادت کرنے کی اجازت دی اور میسوپوٹامیہ آنے والے رضا کاروں کے نیٹ ورک کی نگرانی کرنے کا کام سونپا۔ الزرقاوی نے ایک مصری سلیمان درویش (ابوغازیہ) کو ابومسلم کا نائب مقرر کیا۔ ابومسلم جو شام میں اپنے وفاداروں میں شیخ راشد کے نام سے مشہور ہوا، اس نے جہادی رضا کاروں کے لیے گیسٹ ہاؤس کھولے۔ ان میں قابل ذکر تین ہوٹل تھے جو ہومز (Homs)، الپو (Aleppo) اور دمشق (Damascus) میں تھے۔ لبنان میں قائم گیسٹ ہاؤسز کے نیٹ ورک کے ساتھ کچھ خفیہ گیسٹ ہاؤسز، عیسائی اکثریتی علاقوں میں بھی تھے۔ تاکہ وہاں کسی کو شک بھی نہ ہو سکے۔ (ان میں سے ایک عین الرمنہ میں تھا)۔ لیونٹ میں توحید والجہاد کے لیے فنڈنگ سعودی شخص (فارن آفیسر) کے ذریعے ہو رہی تھی، جس نے مشرق وسطیٰ میں بنا کسی سکیورٹی سروسز کے سفر کیا تاکہ اس پر شک نہ ہو سکے۔ ایک بار تو اس کی چھپی شناخت ظاہر ہوتے ہوتے رہ گئی۔ جب وہ اپنا وقت حلب میں گزار رہا تھا، وہ چار دیگر جہادیوں کے ساتھ کار میں جا رہا تھا۔ اس میں دھماکہ خیز ڈیوائس تھی جو پھٹ گئی۔ کار کے دو مسافر فوراً مر گئے (ان میں سے ایک ترکی کا باشندہ تھا) اور دیگر دو زخمی ہو گئے۔ اس سے پہلے جب شامی فورسز دوسرے زخمی کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ سعودی کسی

نہ کسی طرح درج بالا بتائے گئے شہر میں قائم گیسٹ ہاؤسز میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، جہاں اس کا علاج کیا گیا۔ حسن نابا کی قیادت میں توحید والجہاد کی 2004ء میں لیونٹ میں تقسیم ہو گئی۔ اس کا سبب مقامی رہنما ابوانس تھا، جو مطالبہ کر رہا تھا کہ اس کے حمایتیوں نے اس کی بیعت کی تھی، حسن نابا کی نہیں۔ الزرقاوی نے دونوں کے درمیان صلح کروانے اور معاملات حل کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

دسمبر 2004ء میں فلوجہ کی دوسری لڑائی کے اختتام پر، الزرقاوی نے اسامہ بن لادن سے الحاق کرنے کا اعلان کر دیا۔ اسامہ بن لادن نے اسے میسوپوٹامیہ شاخ کا سربراہ مقرر کر دیا۔ عراق میں توحید والجہاد گروپ کی القاعدہ شاخ میں تبدیل ہونے کے ساتھ قیادت الزرقاوی کو ملی۔ اور بانا لیونطینی کا القاعدہ شاخ کا سربراہ بن گیا لیکن اس کے القاعدہ کے ساتھ رابطے، فقط الزرقاوی تک محدود تھے۔ اس کے وزیرستان میں موجود قیادت سے کوئی رابطے نہیں تھے۔ لیونٹ میں القاعدہ شاخ کی سرگرمی شام اور لبنان تک محدود تھی۔ اس میں فلسطینی پناہ گزین کیمپ بھی شامل تھے جو ان ملکوں میں قائم تھے۔ اس کی سرگرمیوں کی رتوسیع اردن تک نہ کی گئی تھے اور یہ فلسطینی کیمپ عراق میں الزرقاوی سے جڑے ہوئے تھے۔

2006ء کے نصف سال تک لیونٹ میں القاعدہ شاخ اپنے عروج کی انتہا کو پہنچ گئی۔ مختلف ملکوں سے ہزاروں جہادی خاص طور پر مغرب اور خلیج سے لبنانی گیسٹ ہاؤسز میں پہنچ گئے۔ ان کی بڑی تعداد کو نہر البارد کیمپ شمالی لبنان میں رکھا گیا جو فتح الاسلام (13) گروپ کے قبضے میں تھا، جس کی قیادت شاکر العباسی کرتا تھا جو فتح الانتفاضہ (14) سے ٹوٹ کر ادھر آیا تھا۔ عراق کی حالت نے دونوں دھڑوں کو ذرائع ابلاغ کے نئے در وا کرنے کا موقع دیا۔ کیونکہ دونوں دھڑے دو دریاؤں کی زمین پر امریکیوں کے خلاف لڑنے کے لیے رضا کار بھیجنے کے کام میں شامل تھے۔

لبنان میں القاعدہ کی اتنی تیزی سے توسیع کو (شام میں بھی توسیع) کو بہت دھچکا لگا۔ 2007ء کے سرما میں ان جہادیوں اور لبنانی فوج کے درمیان مسلسل معرکے ہوئے جس کی وجہ سے ان کے مضبوط حصے والی جگہ نہر البارد فوج کے قبضے میں آ گئی۔ یہ جھڑپیں اور جھگڑے مئی کے آخر اور ستمبر 2007ء کی ابتدا میں ہوئے جس میں دونوں طرف سے ہزاروں جانوں کا نقصان ہوا۔ لیکن نتائج بہت واضح تھے۔ یعنی القاعدہ کا ایک بہت دھڑا اور لبنان میں فتح الاسلام کے

جنگجوؤں کا خاتمہ ہوا۔ لیکن کچھ خفیہ اور غیر فعال دھڑے باقی بچ گئے۔ جو کبھی کبھی بمباری کی کارروائیاں کرتے تھے، خاص طور پر پبلک ٹرانسپورٹ اور بسوں پر حملے کرتے تھے جن میں لبنانی فوجی ہوتے تھے۔ جبکہ شدید جہادی گروپ ''فتح الاسلام'' اپنی موجودگی، جنوبی لبنان کے علاقے صدوں (Sidon) کے قریب فلسطینی پناہ گزین کیمپ کے چھوٹے سے حصے میں برقرار رکھنے میں کامیاب رہا۔ اور القاعدہ مکمل طور پر غائب ہوگئی۔ خاص طور پر حسن نابا کے لبنانی سکیورٹی سروسز کے ہاتھ آنے کے بعد تو القاعدہ وہاں سے مکمل طور پر ختم ہوگئی۔ جس طرح القاعدہ کو لیونٹ میں دھچکا لگا اسی طرح لبنان میں بھی اس کا یہی حال ہوا۔ شام میں بھی اس کے لیے (فتح الاسلام کے لیے) بہت رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ شام نے ان جہادیوں کی اپنے علاقے میں سرگرمیوں سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ عراق جارہے ہیں تو ان کے نیٹ ورک کو ختم کرنے کی شدید مہم چلائی گئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شامی حکومت کو اب ان کی ضرورت نہ رہی تھی کہ انہیں بش انتظامیہ کی طرف ڈالے گئے دباؤ کا خوف نہیں تھا (جو غالباً شامی حکومت نے یہ محسوس کیا کہ جہادیوں کی سرگرمی حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور اب حفاظت کے تحفظات ہیں۔ جو بھی معاملہ رہا ہو لیکن القاعدہ اور فتح الاسلام کو شام میں خود پر دروازے بند ملے جس طرح لبنان میں ان پر دروازے بند ہوئے تھے۔

اتنا کچھ کافی نہیں تھا۔ لیونٹ میں القاعدہ کو ایک اور دھچکا لگا جب فلسطینی ''حماس'' تنظیم نے اسامہ بن لادن کی وفادار تنظیم آرمی آف اسلام کو ختم کر دیا۔ افغانستان پاکستان کے سرحدی علاقوں میں القاعدہ کے موجود اہم رہنما ڈاکٹر ایمن الظواہری اور ابو یحییٰ اللبی آرمی آف اسلام کے دفاع میں مداخلت کر رہے تھے۔ اور حماس کی تحریک اور اس کے غیر اسلامی پالیسیوں پر تنقید کر رہے تھے (خاص طور پر اس کی غیر اسلامی الیکشن میں شمولیت پر تنقید کر رہے تھے) لیکن اس سے آرمی آف اسلام کی حیثیت کو قوت نہ مل سکی۔ حماس نے عسکری قوت کے طور پر ستمبر 2008ء میں غزہ شہر میں ہونے والی خونی جھڑپوں میں اس کا نشان تک مٹا دیا۔

5

سلفی گروپ کی جنگ کے لیے پکار نے القاعدہ کی گرفت ڈھیلی کرنے میں مدد کی

الجیریا کیSalafist Group for Preaching and Combat (GSPC) کی 2006ء کے آخر میں القاعدہ میں شمولیت اسامہ بن لادن کے لیے ایک بڑی فتح تھی۔ وہ آدمی جو پاکستان اور پاکستان کے درمیان چھپا ہوا تھا اس نے عوام میں آنے کی جرأت نہیں کی، جب تک امریکی اس کا شکار نہ کر لیتے۔GSPC کے شامل ہونے کی وجہ سے اسامہ بن لادن یہ کہنے کے قابل تھا کہ اس کی تنظیم پھیل رہی ہے، بجائے اس کے کہ وہ کہتا کہ تنظیم تباہ ہو رہی ہے اور اس میں دراڑیں پڑ رہی ہیں کیونکہ تمام جنگیں اس کے خلاف ہو رہی تھیں۔GSPC کی شمولیت سے القاعدہ کے رہنما کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ اعلان کر سکے کہ ایک اور مغربی گروپ LIFG کے رہنماؤں نے القاعدہ میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔

اسلامی مغرب میں القاعدہ

الجیریا کی GSPC تنظیم کے القاعدہ میں ضم ہونے اور اس انضمام کے حالات اور اس کے اسباب کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔(اس کے لیے GSPC کے سابقہ رہنما حسن حطب اور 2008ء میں اس گروپ کے رہنماؤں کے ساتھ انٹرویوز مصنف کی کتاب Brothers in

arms میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب 16 ستمبر 2010ء میں لندن سے شائع ہوئی)۔ جس بات پر کم توجہ دی گئی وہ اس انضمام کے نتائج تھے جب ان کا تقابل دیگر گروپس کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا جنہوں نے القاعدہ میں شمولیت کر کے القاعدہ کی گلوبل برانچز بن گئے۔

پہلا تقابل القاعدہ کی دو دریاؤں کی سرزمین والی شاخ سے ہونا چاہیے۔ التوحید والجہاد گروپ عراق میں پہلے سے بہت فعال تھا۔ جب اس کے رہنما ابومصعب الزرقاوی 2004ء میں القاعدہ میں شمولیت کے لیے رضامند ہوا لیکن ابومصعب کی یہ اسامہ بن لادن سے بیعت تھی جو عراق میں جہادیوں کو بیرونی حمایت کرتا تھا اور اس کے گروپ کو بھی مدد دی گئی۔ چونکہ اب اس تنظیم کا نام دو دریاؤں کو سرزمین پر القاعدہ تھا۔ یوں آنے والے جہادیوں نے الزرقاوی گروپ میں شمولیت اختیار کرنا شروع کر دی۔ ان آنے والے رضا کاروں کی کثیر تعداد نے ایسی کارروائیاں کیں جنہیں القاعدہ نے شہادت کی کارروائی قرار دیا۔ بعد میں ان کارروائیوں کو عوام میں جرم کے طور پر ہوا ملی کیونکہ ان میں معصوم لوگ بھی مارے جاتے تھے اور ان کا قتل عادلانہ نہیں تھا۔

الزرقاوی گروپ کا القاعدہ کا حصہ بننے کے بعد عراق میں مجاہدوں کا داخلی بہاؤ صومالیہ کی طرف ہو گیا لیکن محدود پیمانے پر تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ میڈیا نے اس پر توجہ مرکوز کی کہ رضا کار مجاہد عراق کو چھوڑ کر اس طرف جا رہے ہیں جہاں امریکہ کے خلاف جنگ ہو رہی تھی، جبکہ صومالیہ کا معاملہ بالکل مقامی تھا۔

صومالیہ میں مجاہدین کی آمد جاری رہی اس حقیقت سے قطع نظر کہ ''الشباب تحریک'' (Al-Shabab Movement) نے تقریباً القاعدہ سے الحاق کا اعلان کر دیا لیکن کاغذی طور پر اس کی شاخ نہ بنی۔ صومالیہ میں آنے والے رضا کار مجاہدین یورپ اور امریکہ ہجرت کرنے والوں کی دوسری نسل تھی۔ کئی مختلف قومیتوں کے دیگر نوجوانوں نے بھی ان میں شمولیت کی۔ اس میں عرب گلف کے لوگ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے عبوری مرکزی حکومت کی صومالی افواج کے خلاف اسے مقدس جنگ (Holy War) کے طور پر لیا۔ اس سے بھی پہلے ایتھوپیا کے دستوں کے خلاف جنگ کی جو 2009ء کے اوائل میں ہی پیچھے ہٹ گئے۔ ایک سے زیادہ مواقع پر القاعدہ کے رہنماؤں اسامہ بن لادن اور ڈاکٹر ایمن الظواہری نے جہاد کے متلاشیوں کو الشباب کے شانہ بشانہ جنگ میں شمولیت پر اکسایا تھا۔ صومالیہ اور عراق میں جہادیوں کی اس آمد کے برعکس کوئی

شہادت نہیں جو نعمان بینوتمن کی نظر سے گزری ہو، کہ الجیریا میں GSPC کی طرف رضا کار مجاہدین آئے ہوں، نہ ہی اس کے القاعدہ کا حصہ بننے سے پہلے کسی رضا کار مجاہد کے آنے کی شہادت ہے نہ ہی (2007ء کے اوائل) میں القاعدہ کا حصہ بننے کے بعد کوئی گواہی ہے۔ تاہم القاعدہ کا ان مغرب کا حصہ بننے والے لیبیا اور تیونس کے نوجوان تھے، جو ادھر تربیت حاصل کرنے آئے اور عراق کی طرف محفوظ راستے سے داخل ہونے کے لیے آئے تھے۔ اور وہ وہاں پھنس گئے جب سکیورٹی سروسز ان کے اس بنیادی نیٹ ورکس کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگئی جو رضا کار مجاہدین کو عراق بھیجنے کی نگرانی کرتے تھے۔ اس بات سے عراق میں جہاد کو تیزی سے ختم کرنے میں مدد ملی۔

القاعدہ میں مغرب کے نوجوان مجاہدین نے شمولیت نہیں کی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ نوجوان، عرب حکومتوں اور الجیریا حکومت کے خلاف جنگ کو اسلامی قانون کے تحت قابل قبول نہیں سمجھتے تھے۔ خاص طور پر جب کئی جہادی سرکردہ رہنماؤں نے فتویٰ دیا کہ یہ حکومتیں بدمعاش فرض نہیں کی جاسکتیں ہیں اور ان کو ہدف نہیں بنایا جاسکتا۔

الجیریا میں جہاد میں شمولیت میں اس رکاوٹ کی وجہ رضا کار مجاہدین میں عدم اعتماد تھا۔ الجیریا کے اسلام پسند جنہوں نے GSPC کو اب Armed Islamic Group (GIA) سے بدل دیا تھا دوبارہ ان کو دھوکہ نہ دے سکیں جوان کی مدد کے لیے آئے تھے۔ جس طرح انہوں نے پہلے دھوکہ دیا تھا۔ جمیل زیتونی اور انظر زواہری کے ادوار (1995ء، 1996ء، 1997ء) میں LIFG کے ارکان کو قتل کردیا تھا۔

بینوتمن جو LIFG کا سابقہ رکن تھا، جو الجیریا میں اس وقت لیبیا کے لڑاکوں کے معاملات دیکھ رہا تھا وہ یہ تجویز کرتا ہے کہ القاعدہ ان مغرب میں غیر ملکی رضا کار مجاہدین کی شمولیت میں ہچکچاہٹ کی ایک وجہ اور بھی تھی، اور وہ یہ تھی کہ القاعدہ کی مغرب میں کارروائیاں مسلمانوں کی اموات کا سبب بنتی تھیں، چاہے وہ عام شہری ہوں یا عسکری ہوں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ GSPC جو بمباری کی کارروائیاں جنوری 2007ء میں القاعدہ کا حصہ ہونے کے بعد کررہی ہے اس کا الجیریا کے لوگوں کی طرف سے شدید ردعمل آیا کہ یہ گروپ عام لوگوں میں دہشت اور تباہی پھیلا رہا ہے۔ یہ بات ان بمباری کی کارروائیوں کے حوالے سے ہے جو گیارہ اپریل اور گیارہ دسمبر 2007ء میں الجیریا کے دارالحکومت میں کی گئی تھیں۔ بینوتمن مزید کہتا ہے کہ ایک 23 سالہ لیبیا کا

نوجوان جو الجیریا میں القاعدہ کی طرف سے لڑ رہا تھا وہ بھاگ گیا اور اپنے آبائی شہر Derna کی طرف چلا گیا۔ وہ GSPC کے اعمال اور کارروائیاں دیکھ کر ان کے ساتھ مزید نہ رہ سکا تھا۔ وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ لیبیا کے حکام نے اس کے اس اقدام کو پسند کیا اور اسے رہا کر دیا۔

بینوتمن کہتا ہے کہ القاعدہ کی الجیریا کی کارروائیوں پر جو فتویٰ دیا جاسکتا ہے وہی باقی دنیا میں بھی القاعدہ کی کارروائیوں پر لاگو کیا جاسکتا ہے۔ وہ وضاحت کرتا ہے کہ القاعدہ اپنے اعمال کے نتائج پر غور نہیں کرتی تھی۔ جب اس نے موریطانیہ کے خلاف 2005ء میں جنگ شروع کی تو اس نے اپنے رویے اور عمل کے نتائج پر ذرا غور نہ کیا، جس طرح اس نے نائن الیون حملوں کے نتائج پر غور نہیں کیا تھا۔ موریطانیہ میں القاعدہ نے ان فوجیوں کو قتل کیا جو صبح کی نماز ادا کر کے بیرکوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ یہ بات معلوم ہے کہ بیرکوں پر حملہ 2005ء میں مختار بالمختار نے کیا تھا، جو GSPC کا رہنما تھا۔ یہ بات 2006ء میں القاعدہ میں شمولیت کے اعلان اور اس کا جنوری 2007ء میں حصہ بننے سے پہلے کی ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پچھلے دو برسوں میں واضح طور پر القاعدہ کی الجیریا میں کارروائیوں میں کمی آئی ہے۔ اب زیادہ تر کارروائیاں افریقہ میں موریطانیہ ذیلی صحارا کے ساحلوں تک محدود ہیں۔ جو الجیریا کے بہت دور کا علاقہ ہے۔ جس میں شمالی مالی Mali اور چاڈ Chad کے علاقے شامل ہیں۔ یہ کارروائیاں زیادہ تر غیر ملکی لوگوں کو اغوا کرنے کی ہیں جن کے بدلے تاوان لیا جاتا ہے یا ساحل میں قید القاعدہ کے قیدی رہا کروائے جاتے ہیں۔ یا بعض اوقات ان اسلام پسندوں کو رہا کروایا جاتا ہے جو یورپی ممالک میں قید ہیں۔

یہ بات بھی دلچسپی کی ہے کہ القاعدہ کی مغربی شاخ کا پھیلاؤ الجیریا سے باہر زیادہ تر موریطانیہ اور افریقی ساحل خاص طور پر مالی اور نائیجر Niger تک محدود ہے۔ اس نے لیبیا میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ جو مغربی شاخ کا 2007ء سے لازمی حصہ ہے۔

کچھ کچھ لیبیائی نوجوانوں کے استثنا کے ساتھ جو الجیریا میں القاعدہ کیمپ میں شامل ہو رہے ہیں، لیبیا واضح طور پر القاعدہ قیادت کو مجاہد دینے سے دور رہا۔ خاص طور پر الجیریا میں۔ جس کا سربراہ عبدالمالک درودکل (ابو مصعب عبدالودود) تھا۔ بینوتمن وضاحت کرتا ہے کہ اس معاملے کا تعلق پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں موجود القاعدہ کی مرکزی قیادت سے جوڑا

گیا۔ ایمن الظواہری بذات خود لیبیا کی شاخ کا سربراہ تھا۔ جو القاعدہ اِن اسلامک مغرب کے حیطہ عمل کے تحت کام کرتی تھی۔ وہ مزید کہتا ہے کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے کہ الظواہری نے القاعدہ اِن اسلامک مغرب یعنی الجیریا کے قائدین کو احکام دیئے تھے جو اس تنظیم کی قیادت کرتے تھے کہ لیبیا میں اس وقت تک مداخلت نہ کریں جب تک انھیں اس حوالے سے براہ راست احکام نہ ملیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ الظواہری لیبیا کے مسئلے کو براہ راست مصر سے جڑا خیال کرتا تھا، کیونکہ اسے یقین تھا یہ مسئلہ مصر میں جہادی تحریک کو متاثر کرسکتا تھا۔

یہ بات بھی سب جانتے ہیں الظواہری نے نومبر 2007ء میں LIFG کے بہت سے جنگجوؤں کی القاعدہ میں شمولیت کا اعلان کیا تھا۔

ابولیث اللبی اہم شخص تھا جو اس کے ساتھ اس ویڈیو فلم میں ساتھ تھا۔ ابواللیث نے القاعدہ میں اپنی شمولیت کا اعلان کیا تھا اس نے کہا تھا دینی قوانین کی روشنی میں ہم القاعدہ کے ساتھ ہیں۔ اس نے کہا تھا دینی قوانین کی روشنی میں ہم القاعدہ کے ساتھ الحاق کا اعلان کرتے ہیں اور اس نے اسامہ بن لادن اور القاعدہ اِن اسلامک مغرب کی تعریف کی تھی۔

الظواہری کے ساتھ ابواللیث کا نظر آنا کئی لوگوں کے لیے حیرانی کا باعث نہیں تھا۔ ابواللیث 2001ء کے اختتام تک افغان و پاک کے سرحدی علاقوں میں رہ چکا تھا۔ جب کابل کے دفاع کا منصوبہ ناکام ہوا خوست کے راستے سے شمالی وزیرستان میں میران شاہ میں بچ بچا کر پہنچ گیا۔ اس حقیقت سے قطع نظر ابواللیث نے پاکستانی سیکیورٹی سروسز سے بچنے کا انتظام کرلیا تھا اور وہ پاکستان میں چھپے رہنے کا راستہ اختیار کرسکتا تھا۔ وہ امریکیوں کے خلاف جائز جہاد میں شمولیت کو فرض خیال کرنے پر اصرار کرتا رہا، اس لیے وہ افغانستان پہنچ گیا اور جلد ہی شاہی کوٹ کی مشہور جنگ میں شامل ہوگیا جو مارچ 2002ء میں پکتیا میں ہوئی۔ جس میں کثیر تعداد مین امریکی فوجی، القاعدہ اور طالبان کے جنگجو مارے گئے۔

9/11 کے حملوں سے پہلے کے برسوں میں ابواللیث نے پاک وافغان سرحدوں کے دونوں طرف آنا جانا جاری رکھا۔ اگرچہ اس نے زیادہ تر وقت جنوب مشرقی افغانستان کے پہاڑوں سے گھرے علاقے گرویز میں گزارا۔ یہ حالت 2007ء تک قائم رہی جب یہ واضح ہوگیا کہ القاعدہ جہاد کو پوری دنیا میں اور کئی ملکوں میں فرنچائز شاخوں کے ذریعے پھیلانا چاہتی ہے

جس طرح میسوپوٹامیہ، دی لیونٹ، سعودی عرب، مصر اور مغرب میں کیا تھا۔ القاعدہ نے صومالیہ اور سوڈان میں بھی ایجنسیاں قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت تک القاعدہ کو عرب مجاہدین پر مکمل اختیار تھا جو افغانستان میں جہاد میں حصہ لینے کے لیے آئے تھے۔

بینوتمن خیال کرتا ہے کہ ابو اللیث اور اس کے گروہ کا القاعدہ کے ساتھ انضمام بہت طویل بحث و تمہید کے بعد وجود میں آیا۔ وہ کہتا ہے کہ اس مسئلے پر بہت گفتگو اور بحث ہوئی۔ نوجوان لوگ افغانستان میں جاری جہاد میں لڑائی جاری رکھنے کے خواہش مند تھے۔ افغانستان میں ہونے کے باوجود ابو اللیث اا ور اس کے گروپ نے القاعدہ میں شمولیت کے لیے بہت وقت لگایا، جبکہ دنیا کے حصوں میں موجود دوسرے گروپس نے افغانستان کی جنگ میں شامل ہوئے بغیر القاعدہ میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔

یہ تمام گروپس افغانستان کے میدانِ جنگ سے بہت دور تھے پھر بھی انھوں نے القاعدہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ جبکہ ابو اللیث اور اس کے جنگجو اسی میدانِ جنگ میں تھے جس میں القاعدہ کے کچھ ارکان بھی شامل تھے۔ لیکن انھوں نے القاعدہ تنظیم مین شمولیت اختیار نہ کی۔ انھوں نے ستمبر 2007ء میں شمولیت کی، جبکہ وہ 2002ء اور 2007ء کے درمیانی عرصے میں کسی بھی وقت ایسا کر سکتے تھے، لیکن ان جنگجوؤں کے لیے بہت عرصے تک القاعدہ سے باہر رہنا آسان نہیں تھا، انھیں بتایا گیا تھا کہ ہم میدانِ جنگ میں ساتھ ساتھ لڑتے ہیں اور تم ہمارے ساتھ شامل کیوں نہیں ہو جاتے جبکہ دور دور کے علاقوں کی تنظیمیں ہمارے ساتھ شامل ہو رہی ہیں۔ ابو اللیث اور اس کے گروپ کو الزرقاوی کی تنظیم کی القاعدہ مین شامل ہونے سے پہلے القاعدہ شامل ہونے کی فہم دی۔ لیکن 2004ء تک lifg کی قیادت چائنہ اور دیگر ممالک کے اردگرد بکھری ہوئی تھی، اس عمل میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ ابو اللیث کو القاعدہ میں ضم ہونے کا اعلان کرنے سے پہلے گروپ کے رہنماؤں کی معقول تعداد کو قائل کرنے پر نوازا گیا۔ اس وقت ان کے لیے یہ چناؤ کرنا آسان کام نہیں تھا جب ان کے رہنما ابو عبداللہ الصادق اور ابو منظر آزاد تھے اور انھیں جیل نہیں ہوئی تھی۔

بینوتمن کہتا ہے کہ میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ سب سے اہم رکاوٹ یہ بات تھی کہ ابو اللیث اور اس کے ساتھ لیبیا کے دیگر ساتھی القاعدہ میں شمولیت کے فیصلے سے پہلے LIFG کی موجودہ حیثیت جاننا چاہتے تھے، اور اس کا کیا مقام تھا؟ القاعدہ میں شمولیت سے ابو اللیث امید کر

رہا تھا کے وہ اپنے پورے گروپ کو دوبارہ منظم کرے اور تمام ارکان جو دیگر ملکوں میں بکھرے ہوئے ہیں ان کی تنظیم سازی کرے اور افغانستان کے جنگجو گروپ میں شامل کرنے پر راضی کرے، اسامہ بن لادن سے اتحاد کرنے سے پہلے وہ پوری تنظیم میں اپنی حیثیت مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ ابواللیثLIFG کے تمام ارکان اپنی قیادت میں جمع کرنے کی کوشش کر چکا تھا۔

بینوٹمن انکشاف کرتا ہے جو دوسرا مسئلہ تھا جو انضمام میں تاخیر کا باعث بنا، یہ القاعدہ کی مغربی شاخ کے حوالے سے لیبیا اور الجیریا کے ارکان کے تعلق کا مسئلہ تھا وہ کہتا ہے دوسرا مسئلہ جو بعد میں سلجھالیا گیا وہ لیبیا اور الجیریا کا انتظام تھا۔ القاعدہ سے اتحاد کے بعد یہ تعلق کیسے بدل سکتا تھا۔ انھوں نے اس مسئلے کو الجیریا کی انتظامیہ سے لیبیا کا عہدہ لے کر سلجھایا۔ الجیریا میں القاعدہ قیادت کے پاس لیبیا کے حوالے سے کسی قسم کا فیصلہ کرنے یا کارروائی کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ یہ فیصلے افغانستان ۔ ایران ۔ پاکستان کی تکون میں کہیں ہوتے تھے۔ اور اکثر ایمن الظواہری کرتا تھا۔ اس منصوبے کو ایمن الظواہری کا منصوبہ کہا گیا۔ وہ ایسا شخص تھا جس نے القاعدہ کو لیبیا کے معاملات میں مداخلت نہ کرنے کے احکامات دیے تھے۔

لیکن جب ابواللیث نے القاعدہ میں شمولیت کی تو اسے صرف افغانستان، پاکستان کے سرحدی علاقوں میں موجود اپنے ساتھیوں پر اختیار تھا۔ اس لئے اس کے اس فیصلے کو جو اس نے اپنے گروپ کو القاعدہ میں ضم کرنے کا کیا تھا ان علاقوں سے باہر قوت حاصل کرنے کی نظر سے دیکھا گیا۔ حقیقت میں 28 منٹ کی وڈیو فلم میں اس انضمام کا اعلان اور تقریر لیبیا میں قید قیادت کو لبھانے کی کوشش تھی۔ الظواہری نے ابوعبداللہ الصادق اور ابومنظر السعدی کو اپنے مجاہدین برادر کہا اور کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ تم بھی مجاہدین کا حصہ ہو۔

الظواہری بے شک اس مکالمے میں مداخلت کرنا چاہتا تھا جو LIFG کے جیل میں موجود رہنماؤں اور اور لیبیا کے حکام کے درمیان 2007ء میں قذافی ڈویلپمنٹ فاؤنڈیشن کی نگرانی میں شروع ہوا تھا۔ جس کا سربراہ لیبیا کے رہنما کا بیٹا سیف الاسلام قذافی تھا۔ لیبیائی حکام نے ابواللیث اور اس کے گروپ کی القاعدہ میں شمولیت کے باوجود مذاکرات اور گفت وشنید کا سلسلہ جیل میں موجود رہنماؤں کے ساتھ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ قیدی رہنماؤں کا سربراہ عبداللہ الصادق اور اس کا نائب خالدالشریف (ابوحمزہ) ور اور قانونی مشیر سمیع السعدی (ابو

منظر) تھا۔جیسا کہ سب کو معلوم ہے ان مباحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ LIFG نے فقہی طور پر نظرِ ثانی کی ،اور اسے کتابی شکل میں موسمِ گرما 2009ء میں شائع کیا۔کتاب کا نام Corrective Studies in the Concepts of Jihad and Accountability and Governance of People تھا۔لیبیا کے حکام نے LIFG کو اپنے خیالات پر نظرِ ثانی کرنے کی وجہ سے نوازا۔ان خیالات میں مسلم دنیا میں تشدد کے ذریعے حکومت ختم کرنے کے رویے کو بھی ترک کرنا شامل تھا۔اور جہاد کے نام پر القاعدہ کی کاروائیوں کی مذمت بھی شامل تھی۔جس کے نتیجے میں LIFG کے کئی ارکان اور سابقہ جہادیوں کو بھی 2009ء اور 2010ء رہا کر دیا گیا۔

بینوتمن یقین سے کہتا ہے کہ اس عرصے کے دوران ابواللیث الجیریا جانے پر غور کر رہا تھا۔بینوتمن اس اطلاع کو اس بات سے جوڑتا ہے جو اسے لیبیائی جہادیوں سے ملی تھی کہ انھیں الجیریا بھیجا جا رہا ہے کہ دہاں القاعدہ کے ساتھ کمیونیکیشن چینلز کھولے جائیں۔وہ ابواللیث کی آمد کے لیے یا کسی دوسرے LIFG کے رہنما کے لیے بھی تیاری کر رہے تھے جنھوں نے وزیرستان میں القاعدہ کے ساتھ شمولیت کی تھی ،جس طرح عبداللہ سعید اللبی نے شمولیت کی تھی لیکن دونوں آدمی دہاں جانے کے قابل نہیں تھے۔ابواللیث شمالی وزیرستان میں 28 جنوری 2009ء میں میر علی شہر میں امریکی حملے کے نتیجے میں مارا گیا۔یہ 2009ء کے دوران واقعہ ہوا(دمبر 2009ء کے بیان میں مصطفیٰ ابوالیزید نے اس بات کی تصدیق کی کہ خراسان میں القاعدہ کا رہنما مارا گیا ہے۔یہ خبر اس کاروائی کے ساتھ ملی جو ڈاکٹر حمام خلیل محمد البلاوی نے کی تھی جسے ابودجانی الخراسانی بھی کہا جاتا ہے یہ کاروائی خوست میں سی۔آئی۔اے اور القاعدہ کے خلاف تھی جس میں اس کے سات ایجنٹ اور ایک جورڈن کا افسر مارا گیا)

پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں حال میں موجود نمایاں رہنماؤں میں ابو یحیٰ اللبی ہے جو القاعدہ کا ایک ماہر عالمِ دین ہے جو اسامہ بن لادن اور الظواہری کے بعد اہم ترین حیثیت کا حامل ہے اس خطے میں دوسرا اہم ترین لیبیا کا رہنما عطیہ عبدالرحمن اللبی ہے جو 1990ء سے القاعدہ کا رکن ہے جبکہ ابو یحیٰ LIFG کا 2007ء تک رکن رہ چکا ہے جب اس نے اور ابواللیث نے القاعدہ میں شمولیت کی تھی۔

6

افغانستان میں برتری رکھنے والی القاعدہ کی افغانستان میں جنگ کو عالمی جہاد کی طرف لے جانے کی کوشش

افغانستان اور القاعدہ کا منصوبہ

بینوتمن کہتا ہے کہ القاعدہ کا افغانستان میں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ان کا افغانستان میں ریاست قائم کرنے یا خلافت قائم کرنے یا اس قسم کا کوئی دوسرا کام کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔یہ بات ان کے خطوط سے واضح ہوتی ہے۔افغانستان میں ان کا مقام دفاعی تھا،وہ کہتے ہیں کہ افغانستان مقبوضہ ہو چکا ہے ہم اسے آزاد کرانا چاہتے ہیں لیکن جو بنیادی پیغام وہ نچلے درجے کے کارکنوں کے ذریعے دیتے ہیں اس کا تعلق عرب دنیا اور مشرق وسطیٰ سے ہے۔بینوتمن مزید کہتا ہے کہ القاعدہ ایک جدو جہد کا مرکز قائم کرنے کی تلاش میں تھی کہ جب ابو مصعب الزرقاوی 2004ء میں ان کے ساتھ شامل ہوا،اس دور میں القاعدہ نے اس نظریہ کو قائم کرنے کی کوشش کی۔جس سے القاعدہ کی فلسطینی مسئلے سے لگن ظاہر ہو۔اور یہ سب اس مقصد کے تحت کیا گیا کہ 11 ستمبر سے پہلے القاعدہ پر جو تنقید ہوئی اسے ہموار کیا جاسکے۔حقیقت یہ ہے القاعدہ نے فلسطین کے بارے میں بہت باتیں کی تھیں لیکن اس حوالے سے حقیقی طور پر اور عملی طور پر کوئی کام نہ کیا۔

یوں القاعدہ نے عراق استعمال کرنے کے امکان پر غور کیا۔ جب 2003ء میں اس پر حملہ ہوا اور یہ بات محض اپنے مقصد کی طرف راغب کرنے کا طریقہ تھا، اس خطے میں خاص طور پر عرب مشرق میں اور مزید نمایاں طور پر فلسطینیوں میں اپنا اثر رسوخ بڑھانے کا طریقہ تھا۔ القاعدہ نے ،عراق میں جو کچھ ہو رہا تھا اسے دی لیونٹ (شام، مصر، اردن، لبنان اور فلسطین) کے حالات سے جوڑنے پر توجہ مرکوز کی۔ القاعدہ یقین رکھتی تھی کہ اس قسم کا تعلق جوڑنے سے عام انفرادی لوگوں کو اس خطے میں القاعدہ نیٹ ورک قائم کرنے کا حوصلہ ملے گا۔ بینوتمن مزید کہتا ہے کہ یہ القاعدہ کی ایک بنیادی غلطی تھی جس کی بنیاد اس جنگی لائحہ عمل اور اندازے پر تھی کہ عراق میں جہاد نہیں رکنے والا اور نہ اسے چیلنج کیا جا سکتا تھا۔ جب اس لب لباب کا تجزیہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ القاعدہ اپنے فیصلے میں کتنی غلط تھی۔ اس کا منصوبہ پورے خطے میں بشمول عراق تباہ ہو گیا۔

بینوتمن سابقہ اسلام پسند کہتا ہے کہ القاعدہ نے جس بات کا احساس نہ کیا وہ یہ تھی کہ القاعدہ بھی اسی بھنور میں داخل ہو گئی جس میں سابقہ قوم پرست تحریکیں شامل تھیں۔ فلسطین ان کا بنیادی مقصد تھا۔ القاعدہ کی طرف سے آج کوئی بھی بیان اس بات کی تصدیق ہے کہ اس کی جنگوں کا مقصد فلسطین کو آزاد کروانا ہے۔ تمام قسم کی لڑائیاں اور سعودیہ، اردن، مصر، شام اور لبنان، غزہ اور دیگر جگہوں پر عدم استحکام کے بارے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یہ فلسطین کو آزاد کروانے کی شرط اول اور لازمی مقصد سے جڑا ہوا ہے۔ بنیادی طور پر یہ تنقید سے بچنے کا ایک طریقہ ہے جو القاعدہ پر ہو سکتی تھی اور القاعدہ کی پالیسیوں پر سوال اٹھانے سے، اسرائیلی دشمن کے ساتھ حقیقی جنگ پر منفی اثر پڑ سکتا ہے۔

محفوظ موجودگی

القاعدہ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ اس کا بڑا ہدف مشرق وسطیٰ ہے۔ اور یہ کہ افغانستان میں اس کی عسکری موجودگی بہت اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ اس نے افغانستان و پاکستان کے سرحدی علاقوں میں اپنی موجودگی کی فطرت کو بدل دیا ہے اس کی اپنی محفوظ موجودگی ہو یا فوج ہو۔ یہ تنظیم نو دو محاذوں پر ہوئی، ایک افغانستان میں جہاں اس کے ارکان جنگجو تھے اور دوسری وزیرستان میں جہاں القاعدہ کے بیرونی دنیا سے روابط تھے۔ (جس میں انٹرنیٹ، ٹیلی فون

کالز، زبانی اور تحریری پیغامات تک شامل تھے) وزیرستان میں اس موجودگی کو اکثر امریکی ڈرون حملوں سے نشانہ بناتے ہیں۔تاہم بینوتمن کے مطابق القاعدہ وزیرستان میں اس نقصان سے بچنا چاہتی ہے، اس کی وجہ غالباً ترسیل اطلاعات میں ان کی بہت اہمیت ہے، جیسے یہ لوگ القاعدہ کا نیٹ ورک ہوں جو دنیا کی خبروں اور واقعات کی نگرانی کرتا ہے۔(یہ کام انٹرنیٹ، اخبارات اور ٹی وی کے ذریعے ہوتا ہے) یہ لوگ تنظیم کے رہنماؤں کے لیے پیغامات اور خبریں تیار کرتے ہیں۔

بینوتمن کہتا تھا یہ بات وضاحت کرتی ہے القاعدہ کے اس خیال کا کہ اسکی افغانستان میں عسکری موجودگی بہت اہمیت کی حامل ہے۔وہ طالبان کے روپ میں اس وسیع وعریض جنگ میں ان کی نمائندگی کرتے ہیں، اگر انھیں مزید جنگجو بھی بھیجنا ہوتے تو پھر بھی جنگ کا نقشہ بدلنے کے قابل نہیں ہو سکتے، اصل میں القاعدہ اس حقیقت کو جانتی ہے کہ اس کا مقصد یا منصوبہ نہ افغانستان ہے اور نہ کبھی رہا تھا۔90ء کی دہائی میں القاعدہ کا بڑا منصوبہ مشرق وسطیٰ میں تھا نہ جنوب میں نہ جنوب مشرقی ایشیا میں تھا تاہم وہ اس خطے میں مسلمانوں سے جتنی مرضی ہمدردی کا مظاہرہ کریں۔بینوتمن اس بات کی نشان وہی بھی کرتا ہے کہ القاعدہ کے لیے دوسری اہم ترین جنگ مغرب کے خلاف تھی۔یہ جنگ طالبان کی دلچسپی کے لیے نہیں تھی سوائے اس کے کہ مغرب آکر افغانستان پر قبضہ کر لیتا اور طالبان کی مغرب کے خلاف جنگ قبضے کے بعد ختم ہو جاتی۔اس لیے القاعدہ پر زور دیا گیا کہ وہ مغرب کے خلاف میڈیا وار پر اپنی توجہ مرکوز کرے۔

گزشتہ چند برسوں میں القاعدہ وزیرستان میں اطلاعات کی ترسیل کے لیے کمیونیکیشن چینل قائم کر چکی ہے۔اطلاعات زیادہ تر جنگی میدان عربوں کے کردار اور حاصل شدہ مقاصد سے متعلق ہوتی ہیں۔اس حقیقت سے قطع نظر کہ یہ اطلاحات پاکستان میں موجود قیادت کو بھیجی جاتی تھیں جو ان اطلاعات کو افغانستان کی جنگی بنیاد پر تیار کرتے ہیں۔غالباً ان کا رہنما مصطفیٰ ابوالیزید تھا جسے خراسان (پاکستان، افغانستان اور ایران کے کچھ حصوں) میں القاعدہ کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔

اس حقیقت سے قطع نظر کہ ابوالیزید ایسا شخص تھا جو افغانستان میں موجود القاعدہ کے ارکان سے خبریں وصول کرتا تھا، شہادت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ اطلاعات وزیرستان میں دوسرے رہنماؤں کو بھیجی جاتی تھیں۔غالباً یہ وہ لوگ تھے جو براہ راست فیلڈ ورک کے ذمے دار تھے۔افغانستان میں موجود القاعدہ کے ایک رکن کے ذریعے وزیرستان میں موجود قیادت کو

بھیجی جانے والی اطلاع میں کہا گیا تھا کہ حالات دن بدن بہتر ہو رہے ہیں۔اب کارروائیاں کرنے والے بذات خود مجاہدین ہیں اور ان کی مدد عام شہری کرتے ہیں جس طرح وہ پہلے کیا کرتے تھے کیونکہ اب طالبان زیادہ مضبوط ہیں اور اس کے قبضے میں وسیع علاقے ہیں۔اگرچہ اس خبر کی تاریخ زیادہ واضح نہیں ہے شہادت سے پتا چلتا ہے کہ 2007ء میں بھیجی گئی تھی۔ایک دوسری خبر میں جس بنیاد پر حالات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی تھی، رپورٹر نے کہا کہ مجھے جہاد اور مجاہدین کے بارے میں اچھی خبر سنانے دو۔کئی کھلے علاقے تھے اور دشمن کی توجہ ریاست کے مراکز اور سڑکوں پر مرکوز تھی۔خدا کا شکر ہے دشمن کا حوصلہ دن بدن کم ہو رہا ہے اور ہم تک آنے والی اطلاعات کے مطابق دشمن کمزور ہوتا جا رہا ہے۔اس رپورٹ کا مصنف بات جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ میں یہ رپورٹ اس طرح لکھ رہا ہوں جیسے ہم جنگ کی اگلی صف کی طرف جا رہے ہوں۔ان محاذوں کو طالبان اور انصار نے گھیرے میں لیا ہوا ہے اور دشمن درمیان میں گھرا ہوا ہے، میں نے چاروں طرف کا دورہ کیا ہر طرف طالبان اور انصار تھے۔

موسم گرما 2008ء کی ایک رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ انصار کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور لوگ طالبان کو پسند کرنے لگے ہیں۔وہ ان سے اپنے جھگڑوں کے فیصلے کراتے ہیں۔نوجوانوں میں شہادت کے متلاشیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ وہ ہم سے بھی خودکش کارروائیوں میں حصہ لینے کی درخواست کرتے ہیں۔ان کی عمریں پندرہ اور سترہ کے درمیان ہیں، ان میں قربانی کا جذبہ بہت شدید ہے، رپورٹ اس بات کا انکشاف بھی کرتی ہے کہ القاعدہ نے افغانستان میں صرف جنگ نہیں لڑی بلکہ وہ اپنے سلفی نظریات کو بھی پھیلا رہی تھی۔رپورٹ کا مصنف بات جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے ہم نے طالبان کو بہت منظم پایا، وہ شہر شہر، گاؤں گاؤں ایک دوسرے سے رابطے میں ہیں اور کچھ علاقوں میں حکومتی اختیار بھی چھین چکے ہیں۔جو خراج ہم وصول کرتے ہیں اس میں اضافہ ہو رہا ہے خاص طور پر مرتدوں کی طرف سے ملنے والا خراج بڑھ رہا ہے، ہم تبلیغ کی ذمہ داری بھی خدا کے فضل سے پوری کر چکے ہیں۔جب کسی مسجد کے قریب سے گزرتے تھے ہم تین باتوں کی تبلیغ کرتے تھے، خدا کے ایک ہونے کی اہمیت، اچھے کاموں کی شرائط (اخلاص، اچھے کاموں کو آگے بڑھانا) اور جہاد کی فضیلت اور مجاہدین کی حمایت۔

مخفی فوج اور بٹالین 313

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ القاعدہ نے ایک ڈھانچے کی تشکیل کی تھی (جس کی بنیاد قبائلی علاقے میں تھی لیکن اس میں پاکستان طالبان کی ذیلی شاخوں کی مدد بھی حاصل تھی) اس کا مقصد افغانستان کے اندر اور باہر کارروائیاں کرنا تھا۔ اس ڈھانچے کا نام مخفی فوج Shadow Army تھا جس میں کئی ذیلی دھڑے شامل تھے۔ ان میں بہت قابل ذکر بٹالین 313 دھڑا ہے جو غیر ملکی انٹیلی جینس کی تفتیش کی مدد سے دنیا کے ممالک میں حملے کی کارروائیاں کرتی تھی۔ مخفی فوج (Shadow Army) کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں لیکن بٹالین 313 غیر افغان جنگجوؤں پر مشتمل ہے، جن میں اکثریت عربوں کی تھی۔ یہ مختلف گروپس کے انضمام کا نتیجہ تھا اس میں اسلامک جہاد موومنٹ، لشکرِ جھنگوی، لشکرِ طیبہ اور جیشِ محمد شامل ہیں۔ یہ تمام گروپس پاکستان (اور کشمیر) میں کارروائیاں کر رہے تھے۔ بینوتمن کے مطابق اس بٹالین کا تعلق نہ صرف افغانستان کی جنگ سے تھا بلکہ دنیا میں کئی دیگر خطوں میں بھی جنگ وجدل کا انتظام اس نے سنبھال رکھا تھا۔ بینوتمن اس بات کو خاص طور پر ظاہر کرتا ہے کہ اس بٹالین کے رہنما بہت نمایاں اور اہم جہادی تھے (جنھوں نے بعد میں القاعدہ میں شمولیت اختیار کی)۔ ان میں ابواللیث اللبی (جو وزیرستان میں جنوری 2008ء میں مارا گیا) اور عبداللہ سعید اللبی (جو 2009ء میں وزیرستان میں مارا گیا) شامل تھے۔ اس بٹالین کا موجودہ کمانڈر الیاس کشمیری ہے جس کے بارے میں یہ افواہ تھی کہ 14 ستمبر 2010ء میں شمالی وزیرستان میں میران شاہ کے قریب تورے خیل میں امریکی حملے میں مارا گیا تھا۔ کشمیری، پاکستان سپیشل فورس کا سپاہی تھا اور کئی اہم پاکستانی سکیورٹی کے رہنماؤں کے قتل میں اور قتل کرنے کی کوششوں میں شامل تھا۔ بینوتمن اس بات کا انکشاف کرتا ہے کہ بٹالین کا نام جنگ بدر میں شامل 313 جنگجوؤں سے لیا گیا تھا جو اسلام کی پہلی جنگ تھی۔

جہاد کی عالمگیریت

یہ بات واضح ہے کہ القاعدہ اپنی کوشش اور جدوجہد کو عالمی خیال کرتی ہے اس لیے جہاد کو عالم گیر کرنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ عالمی جنگ شروع کرنے کے قابل ہو سکے۔ جس طرح بینوتمن کہتا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ القاعدہ کو عالمی بنیاد پر اپنے ڈھانچے کی ازسرِ نو تشکیل کے لیے

مجبور کیا گیا ایک ایسی عالمی تنظیم جو اپنے ماحول کو جانتی ہو اور حقیقت سے نبٹنے کا فن بھی جانتی ہو۔ تنظیم اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے یہ بات اسی طرح سمجھی جا سکتی ہے نہ کہ اس طرح کہ دوسرے اس تنظیم کو کیا سمجھتے ہیں۔

بینو تمن وضاحت کرتا ہے کہ یہ جنگ تین حصوں پر لڑی جاتی ہے۔ پہلی سطح یا درجہ القاعدہ کی مرکزی کمان ہے جو وزیرستان میں کہیں موجود ہے اور خراسان کے خطے میں بھی موجود ہے یہ مرکز ہے اس کا بڑا مقصد میڈیا وار یعنی نظریاتی جنگ لڑنا ہے۔ یہ وہ گروپ ہے جسے القاعدہ کا پیغام پھیلانے کے حقوق مکمل طور پر حاصل ہیں۔ (اس تنظیم کے رہنما اور نظریہ ساز جیسے بن لادن، الظواہری، عطیہ عبدالرحمان اور ابو یحیٰی اللبی ہی پیغام پھیلا سکتے ہیں) یہ تمام لوگ القاعدہ کے نام پر عالمی پیغام بھیجتے ہیں۔ اس پیغام میں تنظیم کی اہم شخصیات اور جاری واقعات شامل ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ قانونی تحفظات کا جواب دیتی ہے تشدد پسندی کے خلاف جہادیوں کے بیانات پر نظر ثانی کرتی ہے۔ یہ ان مسلمان علما پر حملے کرتی ہے جو القاعدہ کے حریف سمجھے جاتے ہیں اور دنیا میں دیگر مسائل جیسے فلسطین کا مسئلہ کے حوالے سے بیانات جاری کرتی ہے، (حماس پر حملہ بھی شامل ہے) الظواہری نے اس مسئلے پر اسی طرح بات کی جس طرح عطیہ عبدالرحمان نے کی، جس نے غزہ میں حزب الاسلام اور لیونٹ میں فتح الاسلام کے مسائل پر بات کی۔

دوسری سطح علاقائی ہے جیسے القاعدہ کی مسیو پوٹامیہ میں، اسلامک مغرب، جزیرہ نمائے عرب اور دیگر ذیلی شاخیں جو ابھی مکمل طور پر قائم نہیں ہیں، جیسے القاعدہ اِن مصر اور القاعدہ اِن لیونٹ شامل ہیں۔ ایسا لگتا ہے القاعدہ حال میں صومالی ''شباب موومنٹ'' کے ساتھ تعلق جوڑنے کی کوشش کر رہی ہے جس طرح صومالی موومنٹ القاعدہ کے ساتھ الحاق کر چکی ہے لیکن دفتری طور پر اس کا حصہ نہیں بنی۔

تیسری سطح القاعدہ کے پوری دنیا میں حمایتی اور ہمدرد ہیں۔ یہ انفرادی یا مقامی دھڑے وزیرستان میں موجود قیادت یا کسی دوسری ذیلی شاخ سے رابطہ کیے بغیر کام کر رہے ہیں۔ یہ انفرادی لوگ یا دھڑے القاعدہ کا کبھی روایتی طور پر حصہ نہیں رہے اور اس کے رہنما کے ساتھ اتحاد کا اعلان نہیں کیا۔ لیکن یہ القاعدہ کی ہر سطح پر شروع کی جانے والی جنگ کی حمایت کرتے ہیں (جنگ میڈیا، فنانس اور عسکری ہو) کیونکہ یہ لوگ اس تنظیم کے نظریات کو اپنا چکے ہیں اور

پیروی کرتے ہیں۔ ہمدردوں کا یہ دائرہ پوری دنیا میں پھیل رہا ہے لیکن ان کی عسکری ناتجربہ کاری اور مذہبی تربیت کا فقدان انھیں اچانک اور بغیر منصوبہ بندی کے کاروائیاں کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ یہ شہادت کی کاروائیاں ہیں اور ان نتائج کے یقین کے ساتھ کہ یہ تباہ کن ہوسکتی ہیں۔